جلد ۱۱۱ دسمبر ۱۹۸۹ء عدد ۳

ماھنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۱۲ | دسمبر ۱۹۸۹ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ | عدد ۶

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

رابطہ کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر —— ۳۲۴۴۶۸

زرِ سالانہ تیس روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

بھارت میں جو اکثریتی قوم بستی ہے، اس کے پاس دُنیائے انسانیت کے سامنے پیش کرنے کے لیے کوئی تحفہ ہے تو وہ اندھا نسلی تعصّب، بے سروپا قسم کی ژولیدہ مذہبیت اور سیاسی یا مذہبی اختلاف رکھنے والی اقلیتوں — خصوصاً مُسلم اقلیت کے لیے ایک مجنونانہ خونخواری کے کمالات ہیں۔ کوئی تہذیبی برتری، کوئی اخلاقی استحکام، کوئی اُصولِ انصاف، کوئی احترامِ انسانیت اور کسی درجے کا لحاظِ انسانیت یا معصوم بچوں کے لیے جذبۂ رحم — ایسی تمام قدریں ایسے چراغ ہیں جنہیں سلطنتِ مغلیہ کے خاتمے کے بعد قومِ ہنود بالکل گُل کر چکی ہے۔ ان چراغوں کی روشنی سے محروم معاشرے میں ایسی تاریکیوں کا راج قائم ہے جنہیں آفتاب و ماہتاب بھی دُور نہیں کر سکتے۔ ان تاریکیوں کے شامیانوں تلے جو مسلمان آباد ہیں، پاگلوں کے ہجوم ان کا خون بہاتے ہیں اور اتنا زیادہ بہاتے ہیں کہ مظلوموں کی میتیں بھی ان میں بہہ جاتی ہیں۔ ہندو اکثریت کے مذہبی جنونیوں کے انبوہ آگے آگے چلتے ہیں، پیچھے ان کی مدد کے لیے ویسے ہی جنونی اور مُسلم دشمن متعصب پولیس کے افسر اور سپاہی، اور پھر ان کی مدد کے لیے آسیب زدگانِ تعصب پر مشتمل فوج۔ سب مل کر مار دھاڑ کرتے ہیں، گھروں اور دکانوں کو لوٹتے ہیں اور پھر آگ لگا دیتے ہیں۔ عورتوں کی بے حُرمتی تو ہندومت کے جنونیوں کا گویا لازمی شعار ہے، اور پھر قتل — قتلِ عام! ایسا قتل، جیسے کہ کوئی چیونٹیاں پیروں تلے کُچلتا چلا جائے۔

ان متعصب جنونیوں کے لشکروں کی لیڈری کرنے والے مہاتمے اور سنت اور مہنت دھرم

کے پیالوں میں ذوقِ درندگی کی شراب بھر بھر کر پرماتما کے فدائی عوام کو خوب اچھی طرح پلاتے ہیں ۔ سخت ترین وحشیانہ الفاظ میں دھمکیاں دیتے ہیں ۔ منحوس و مکروہ کارروائیوں کا پہلے سے اعلان کرتے ہیں ، پھر اقدام کرتے ہیں ، پھر تشدّد کے ترشول سے کہ جو مسلمان سامنے آئے اُس کے ٹکڑے اُڑا دیتے ہیں ۔ کسی مرحلے میں ان کو خلافِ قانون حرکات سے قانون نہیں روکتا ، اُن کو لا اینڈ آرڈر کا پابند بنانے کے لیے کوئی ضابطہ کام نہیں کر سکتا ، ان کو فساد انگیزی اور نمائش اسلحہ سے حکومت باز نہیں رکھ سکتی ، ان کے ہتھوڑے سے شریف مزاج ہندو جرأت نہیں کر سکتے کہ انہیں راستی اور انصاف کی تلقین کریں ، پریس کی بڑی بھاری طاقت جو کسی قوم کو شائستگی سکھا کر سنوار سکتی ہے ، وہ خود شر پسند قوتوں کے زیرِ اثر ہے ، کیونکہ وہی تو اخبارات کے خریدار اور ان کو اشتہار دینے والے ہیں ، حکومت بھی اسی لیے مزاحمت نہیں کر سکتی کہ حکمرانوں کو اُن کے ووٹ اور ان کے حامیانہ جیبکارے درکار ہوتے ہیں ۔

یہ ہے بھارت کا حال جو تہذیبی لحاظ سے نئی دُنیا کے درمیان ایک جنگل بنا ہوا ہے ۔ جمہوری جنگل ۔

ہم پاکستانی اپنے آپ کو ایک لحاظ سے بڑا خوش نصیب سمجھتے ہیں کہ ہم ریچھوں کے غول سے بچ کر نکل آئے ۔ اگرچہ بھارتی ہندو کے زہریلے تعصب نے خطِ تقسیم کو راستی اور انصاف کے اُصولوں سے ہٹا کر اور ہمارے اثاثے روک کر ، نیز کشمیر ، جوناگڈھ اور حیدرآباد پر جارحانہ قبضہ کر کے ہماری مسرتِ آزادی کو غم کے زخم لگا دیئے ۔ لیکن تقسیم کے بعد بھارت میں ملّتِ اسلامیہ کا جو حصّہ رہ گیا ہے ، اُسے کئی سو بار موت اور تباہی اور لوٹ مار کا جس طرح شکار بنایا گیا ہے ، اور آج کل بابری مسجد کی جگہ کو رام کی جنم بھومی قرار دے کر زبردستی کا مندر بنانے کی تیاریاں ہیں اور اس سلسلے میں کئی سو جانوں اور بہت سے گھروں اور دکانوں کی تباہی کی جا چکی ہے ، ان احوال کو دیکھ کر ہم تڑپ تڑپ جاتے ہیں اور اس جان لیوا عذاب کی وجہ سے کوئی فریاد و فغاں ہم کر بیٹھتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ

بھارت کے اندرونی معاملات سے تمہارا کیا مطلب؟ یعنی اگر کسی ملک میں قصاب خانہ کھول کر آپ انسانوں کو کسی ثبوتِ جرم اور کسی عدالتی فیصلے کے بغیر ذبح کرنے لگیں، تو پوری دنیا ئے انسانیت کا کوئی حق نہیں کہ وہ انسانی قدروں کی تباہی کے خلاف آواز اُٹھائے آپ بے گناہوں کو ضمیر کی پابندی کی بنا پر جیلوں اور پھانسی گھروں میں پہنچا دیں تو لندن کی ایمنسٹی انٹرنیشنل تک اپنی رپورٹ شائع کرے گی۔ اسے بھی کہئے نا کہ وہ آپ کے داخلی حالات سے کوئی تعرض نہ کرے۔ اصول یہی ہو تو ایک غنڈا بھی کہہ سکتا ہے کہ پولیس یا حکومت کو کوئی حق نہیں کہ میرے دائرہ کار یا مقامِ قیام میں مداخلت کرے۔ دنیا کا ایک فوق الفوق اخلاقی قانون ہمیشہ موجود رہا ہے اور عدالتوں تک نے EQUITY کے نام سے اسے ملحوظ رکھا ہے اور اس کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ کوئی حکومت کسی رعیت پر یا کوئی اکثریت کسی اقلیت پر ظلم ڈھانے کا حق و اختیار نہیں رکھتی۔ ہمارے ہاں کوئی دفاعی سامان آئے (جب کہ دفاع ایک مسلّمہ حق ہے) یا ایٹم بم بنانے کا جھوٹا فسانہ کہیں سے دوہرا دیا جائے تو آپ شور مچانے لگتے ہیں۔ آپ کو آخر کیا حق ہے کہ دوسروں کے داخلی معاملات میں ٹانگ اڑائیں۔ کبھی آپ پاکستان کی مخالفت امریکی سینٹروں یا سفارتی حلقوں میں کرتے ہیں، کبھی اخبارات میں، آخر یہ کیوں؟ ظلم اور نسل کشی کے خلاف اور بنیادی حقوق کے لیے آواز اُٹھانا بین الاقوامی حق ہے۔

بھارتی نیتاؤں، خصوصاً دھارمک پنڈتوں سے ہمیں یہ گذارش کرنا ہے کہ جہاں تک رام یا کرشن یا اور بزرگوں کو ماننے کا تعلق ہے، آپ ضرور مانیں۔ مگر جب دوسروں سے معاملہ پڑے تو آپ کو پہلے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ آپ کے کسی بزرگ کا وجود تاریخی اصولوں سے اور زمانہ بہ زمانہ مسلسل منتقل ہونے والے ریکارڈ سے ثابت ہے؟ عقیدتوں کا معاملہ الگ، لیکن تاریخی تحقیق کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ ذرا مجنونانِ تعصب کے ہجوم کو جیکاروں سے روک کر آپ خود آگے بڑھ کر ہم سے بات کیجیے کہ آپ کے سری رام چندر جی کا تصور آپ کے ہاں محض ایک عقیدت کے تحت روایت کے سانچے میں ڈھل گیا ہے یا کوئی اور صورت ہے۔ کیونکہ تاریخی تحقیق کی روشنی آگے تک ساتھ نہیں دیتی۔ بس ایک

گہرے رنگ کا کہر باقی رہ جاتا ہے جس میں کچھ ہیولے سے دکھائی دینے لگتے ہیں، اور پھر غائب ہو جاتے ہیں۔

آپ ایشور کو ماننے والے اور سری رام چندر اور کرشن کی مقدس تعلیمات کو پھیلانے والے کبھی نہیں سوچتے کہ آپ دھندلے اور کہر یلے تصورات کی بھینٹ زندہ انسانوں کو محض اس بنیاد پر چڑھاتے ہیں کہ وہ اقلیت میں ہوتے ہوئے اکثریت کی سوچ بچار میں اپنے آپ کو گم نہیں کر سکتے۔ آپ کا رویہ ہندو مت کے متعلق سوائے جارحیت، بے انصافی، تشدد، خونریزی اور جذباتی فساد انگیزی کے اور کیا تصور دنیا کو دلا سکتا ہے۔

یہی روش جاری رہی تو اول تو یہ کہ خود آپ ہی کے اندر سے مظلوم مسلمانوں کی بے بسی اور ان کی صابرانہ قربانیوں کو دیکھ کر اسلام کے حامی اُٹھ کھڑے ہوں گے ۔۔ اور تھوڑے بہت ہو بھی رہے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ کو ظلم کی مہلت اور محدود دورِ اختیار کی وجہ سے بدمست نہیں ہو جانا چاہیے۔ کائنات کو جو خدا چلا رہا ہے، اس نے ابھی جس حال زار تک کیلی فورنیا کو پہنچایا، وہ کل آپ سے بھی حساب چکا سکتا ہے۔

دوسرا معاملہ آپ کے سامنے یہ رکھنا ہے کہ کیا آپ تاریخی تحقیق کے اصولوں سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ رام کی جنم بھومی ٹھیک وہاں تھی جہاں آپ ایک مندر، خدا پرستی کے لیے نہیں بلکہ ضدم ضدا اور مسلم دشمنی کے تحت تعمیر کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

تاریخی تحقیق کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ آج سے پیچھے کی طرف جاتے ہوئے سلسلۂ روایت کو بالمسلسل آخر تک بلا انقطاع پہنچایا جائے۔ یہ آپ کر سکتے ہیں؟ جی نہیں۔ آپ فساد کرا سکتے ہیں، مسلمانوں کا خون بہا سکتے ہیں، بابری مسجد کی توہین کر سکتے ہیں۔ زبردستی کا مندر بنا سکتے ہیں، مگر اپنے دعویٰ کو تاریخ کی عدالت میں پیش کر کے نہیں منوا سکتے۔

یہ ہمیں پہلے سے معلوم ہے کہ ہندو ازم کی پرستار مگر خونخوار (BRUTAL) اکثریت نے اور بھی بہت سی مسجدوں کو گرانے اور بہت سی جگہوں پر مندر بنانے کے منصوبے بنا رکھے

ہیں۔ لیکن کیا اس سے آپ کا مذہب پھیلے گا۔ یعنی نیکی اور شرافت اور انصاف پسندی اور انسانیت نوازی بڑھے گی؟ ان ساری قیمتی چیزوں کو تو آپ تباہ کر رہے ہیں۔ اور اپنے اس کرتوت کا سہرا آپ ہندو ازم کے سر پر باندھ رہے ہیں اور اپنی محبت کا تاج آپ سری رام چندر کو پہنا رہے ہیں۔

غور فرمایئے کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟

آپ ایک اور ستم کر رہے ہیں۔ آپ نے مذہبی تعصب کے کھیل تماشہ کو سیاسی ہتھیار بنا لیا ہے۔ اس وقت آپ کے ہاں انتخابات کا دور ہے۔ آپ نے ایک طرف راجیو حکومت کو بے بس کر دیا ہے، دوسری طرف اپوزیشن کو بھی مسخر کرنا پیش نظر ہے۔

مذہب ان کاموں کے لیے نہیں ہوتا۔ رحم کیجیے مذہب پر!

ایک گرما گرم بھارتی آواز یہ بھی گونجی ہے کہ آخر قتل مقاتلے کی لہریں تو پاکستان میں بھی اُٹھتی رہتی ہیں۔ پھر ہم ..... سے کیا مطلب!

جی! اول تو ہمارے ہاں خاص طور پر کسی اقلیت اور خصوصاً ہندو اقلیت کو چن چن کر مارا نہیں جاتا اور ان کے مندر توڑ توڑ کر مسجدیں تعمیر کرنے والے جنونی یہاں موجود نہیں ہیں۔

دوسرے جو تخریب کاری اور فساد انگیزی یہاں ہو رہی ہے وہ بھی بھارت ہی کا کرم ہے۔ وہاں سے ماہرینِ فن تیار کر کر کے بھیجے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی علاقائی؛ نسلی لسانی فتنوں کو بڑھانے کے لیے سرحد پار سے چھپ کر لٹریچر کا آنا کئی سال سے جاری ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم پاکستان کو آزاد کرا کے بھی بھارت جیسی درندہ صفت قوت سے محفوظ نہیں ہیں۔ ایک طرف سے سیاچن کی طرف سے یورش ہے، دوسری طرف کشمیر کے مسلمانوں کے لیے جینا دوبھر کر دیا گیا ہے۔ تیسری طرف کابل کی حکومت سے مل کر پاکستان سے محبت کرنے والے مجاہدین کو نشانۂ ستم بنایا جا رہا ہے جو ایک سُپر پاور کی سامراجیت

سے نجات پانے کے لیے لڑ رہی ہے۔ بھارت سے نہ بنگلہ دیش کو امان ہے، نہ نیپال کو چین، نہ سری لنکا کو اطمینان، نہ سراندیپ کو تحفظ ـــــ ان حالات میں ہمارے ہاں کی موجودہ حکومت کے ذریعے بھارت منافقانہ دوستی کے جو دروازے کھولنا چاہتا ہے، اس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ منڈی بھی حاصل کرے، ہماری صنعت کو بھی تباہ کرے اور "را" کے آدمی اور کارِ خاص کے دوسرے سینکڑوں افراد کو یہاں گھسا دے۔

پس چہ باید کرد اے اسلامیاں!

یہ تو بہت واضح ہے کہ بھارت کے مسلمان اندھے مذہبی تعصب میں بدمست ہندو اکثریت کے خونخوارانہ مظالم سے اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے۔ اور اس کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ بہیمیت کی تلواریں ان کی گردنیں مسلسل کاٹتے رہنے کے بعد خود ہی کند ہو جائیں ــــ اور کوئی سہارا نہ وہاں پولیس کا ہے، نہ قانون کا ہے، نہ عدالتوں کا ہے، نہ پارلیمنٹ کا ہے اور نہ مجنوں ظالموں میں ایسے انسانی جذبات ہی ہیں جن کو اپیل کیا جا سکے، نہ وہاں کے مذہبی اکابر اصلاح عوام کے لیے تیار ہیں، نہ سیاسی لیڈروں کی یہ مجال ہے اور نہ پریس اتنی بڑی جرأت کر سکتا ہے۔ پریس کی بڑی سے بڑی چھلانگ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ وزیر اعظم یا صدر یا پارلیمان کے خلاف لفظوں کو آتشیں بنا دے۔ لیکن عوام کی حقیقی اصلاح کے لیے اور ان کو ہٹربونگ اور بیکاروں کے نشے سے نکال کر شریف انسانوں کی طرح اخلاقی رجحانات سے تعمیری کام لینا سکھا سکے، یا ان کو مذہب کے تقدس، قوم کی محبت اور وطن کی وابستگی کے متوازن اسالیب پر قائم کر کے اقلیتوں کے متعلق اور اختلاف کرنے والوں کے متعلق مہذب پیرایوں سے کام لینا سکھا سکے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ دشمنوں سے بہادرانہ اور عزت مندانہ اور باوقار طریقے سے دشمنی کرنے کی تعلیم دے سکے، کاروباریت کا مارا ہوا پریس یہ کام نہیں کر سکتا۔ وہ پریس جس کی رگِ جان ایک طرف سرمایہ دار کے قبضے میں ہے اور دوسری طرف سیاسی منڈی میں جو اپنی خدمات کو غلاموں کی طرح بیچتا پھرتا ہے، آخر

وہ تہذیب اور انسانیت اور اخلاق کی مشعلیں کیسے بلند کرے گا۔ بلکہ پریس تو ہر اُس مذہبی اور سیاسی اور عوامی آگ کو ہر روز تازہ بتازہ ایندھن مہیا کرتا ہے جو کسی بھی طرف سے سُلگ اُٹھے۔

پھر اے رُوحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تیرا مسلمان کدھر جائے۔

مسلمانوں کی مصیبتوں کے بڑے بڑے اُصولی اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کسی بھی اہم ترین معاملے میں دل سے دل اور قدم سے قدم اور آواز سے آواز ملا کر اکٹھے نہیں چل سکتے۔ شیاطینِ افتراق، علاقہ پرستی، نسل پرستی، قوم پرستی، لسانیت، الگ الگ طرزِ حکمرانی، نظریاتی اور فقہی فروق، اپنی اپنی سامراجی قوتوں سے وابستگی، اپنے اپنے تجارتی اور کاروباری مفاد کی نگہداشت وغیرہ بے حساب بلائیں مسلمانوں کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے گھیرے ہوئے ہوں۔ وہ کسی محلے کے مسلمانوں کو ایک نہیں ہونے دیتے، کسی شہر کے مسلمانوں کو اکٹھے نہیں ہونے دیتے، وہ کسی مُلک کے مسلمانوں کو واحد "حزب اللہ" کی شکل اختیار نہیں کرنے دیتے، وہ مختلف ممالکِ اسلامیہ کو ہم آہنگی اختیار نہیں کرنے دیتے، کہیں دین اور لادین کی جنگ، کہیں دین اور سیاست کی جنگ، کہیں مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کی جنگ، کہیں معاشی مفاد کی جنگ، ہر کوئی اپنی اپنی پسند کے محاذ پر مستِ پیکار ہے اور مفاد کا مالِ غنیمت سمیٹ رہا ہے۔

اِدھر دُنیا کے ہر گوشے میں مسلمانوں کو عجیب حالات سے سابقہ ہے۔ برما میں، تھائی لینڈ میں، اس سے پہلے کمبوڈیا میں، بھارت میں، البانیہ میں، جنوبی افریقہ میں، فلپائن میں، حبشہ میں، اور نہ جانے کہاں کہاں مسلمانوں کو قتل اور ذلیل کیا جا رہا ہے، کھدیڑا جا رہا ہے۔ ان کی بے شمار تعداد آج فاقہ کشی کے کیمپوں میں پڑی ہے۔ تارکینِ وطن کے نام سے مسلمانوں کی بہت بڑی آبادیاں تباہ و ذلیل ہو رہی ہیں۔ مغربی سامراج اور مشرقی سامراج اور اُن کے چیلے چانٹوں نے مل کر طے کر لیا ہے، نیز ہندوؤں، بدھوں، یہودیوں اور عیسائیوں

نے سازشیں کر لی ہیں کہ مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنا ہے۔ جہاں وہ اقلیت میں ہیں وہاں کچل کر، اور جہاں اکثریت میں ہیں وہاں اُن کی اکثریت کو قرضوں اور ایڈ اور بیرونی ماہرین، اور اسلحہ اور اسلامی رجحانات کی جڑ کاٹنے والے لٹریچر اور پروپیگنڈے، ٹی۔وی اور فلمی اور ویڈیو کیسٹوں، شراب اور قمار اور حرام اغذیہ و ادویہ، اکثریت کے گروہوں کو ٹکراتے تخریب کاریاں کراتے، جاسوسیوں کے انتظامات کرتے، جگہ جگہ حکمرانوں کو خریدتے، اپنی پسند کے عناصر کو خاص خاص عہدوں تک پہنچاتے، اسلام کے علمبرداروں کو خود اسلام گریز مسلمانوں کے ذریعے کچلواتے اور آخر کار ضرورت ہو تو خود بھی خفیہ طور پر عربدہ انگیزی کرنے کے لیے نہ صرف سازشوں سے بلکہ روپے پیسے اور سامان سے لیس ہو کر تیار بیٹھے ہیں۔ ابھی ابھی ہمارے دیکھتے دیکھتے مجاہدینِ افغانستان کی دس سالہ قربانیوں کو عالمی سیاست کی مارکیٹ کے بنیوں نے جس طرح اس اصل نتیجہ سے محروم کرتے اور ان میں تفرقہ پھیلانے کی کوشش کی ہے اور دوسری طرف جس حسن و خوبی سے ایرانیوں نے "شیطانِ صغیر" کو اپنا میہمان بنا لیا ہے۔ اس سے حالات کی خوفناکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اِس صورتِ حالات سے اگر کوئی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے تو صرف مسلمانوں کے ایسے متفقہ اقدامات سے ہو سکتی ہے جن کی رُوح اخوتِ ایمانی ہو۔ اس کے لیے جذبۂ تفاخر کی قربانی، امتیازِ عربی و عجمی کی قربانی اور جمہوریت پسندی اور نظامِ سلطانی کے اختلافات کی قربانی دیئے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں کی تباہی کے لیے عالمی طاقتوں کے متحدہ محاذ کا جب بھی کوئی توڑ ہو گا تو اسی طرح سے ہو گا۔ جیسا "تیل کا ہتھیار" استعمال کرنے سے ہوا تھا۔ اب کسی نئے ہتھیار کی ضرورت ہے۔

نیا ہتھیار صرف یہ ہے کہ تمام اہم مسلمان حکومتوں کے سربراہ بھی اور ان کے علماء اور سیاسی اکابر بھی مل کر یہ فیصلہ کریں کہ کسی ایسے ملک سے کوئی تجارتی تعلق جاری نہیں رکھا جائے گا جس کے ہاں مسلمانوں کی جانوں، مالوں اور عزتوں پر حملے ہو رہے ہیں اور حکومت اور قانون کی طاقت ان کو روکنے میں ناکام رہے۔ نیز مسلمانوں کے خلاف مذہبی تعصبات

کی بنا پر پبلک جلسوں میں تقریریں ہوں اور اخبارات میں اشتعال انگیز خبریں، مضامین اور کارٹون شائع ہو رہے ہوں۔

یہ تو منفی رُخ ہے۔ مثبت رُخ کے تقاضے یہ ہیں کہ:

۱۔ انجمن ہلال احمر یا حکومتوں کے مرتب کردہ وفود کو یہ حق دیا جائے کہ وہ موقع پر جا کر ہر طرح کے حالات کو دیکھیں، بیانات سُنیں اور رپورٹیں مرتب کریں۔

۲۔ متعصب مذہبی گروہوں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف ہونے والے بلووں میں جتنی بھی جانیں ہلاک ہوں، جو لوگ زخمی ہوں، خواتین کے لواحقین پر حملے کیے جائیں، گھروں اور دکانوں سے جتنا مال لوٹا جائے اور جن گھروں اور دکانوں کو آگ لگائی جائے ان سب کے لیے زرِ تلافی ادا کرنے کی ذمہ داری حکومت لے۔ آگے وہ چاہے تو بلوے کے لیڈروں یا قتل اور سلب و نہب میں حصہ لینے والے بلوائیوں پر پھیلا دے۔

ایسے کسی معاہدے پر دستخط ہو جانے کے بعد تجارتی معاملات بحال ہو سکتے ہیں۔ ورنہ مشترکہ طور پر مسلم حکومتوں کی طرف سے صاف صاف نوٹس دینا چاہیے کہ فوری طور پر تمام ٹھیکے اور سودے منسوخ کیے جاتے ہیں۔ مسلمان اپنی بندرگاہوں اور ہوائی راستوں کو بھی بند کر سکتے ہیں۔ اس تجربے کو آزما کے دیکھیے۔ اس ہتھیار کو فی الحال بھارت کے خلاف حرکت میں لائیے اور مطالبہ کیجیے کہ فلاں تاریخ تک تمام مسلمان مقتولین و مجروحین اور مالی نقصانات اور خواتین سے زیادتیوں کے لیے زرِ تلافی کی ادائیگی کر دی جائے۔ اور مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کے جلسے جلوس، تقریریں، اخباری مضامین سب پر پابندی لگا دی جائے۔ پھر یکم دسمبر کو مسلمانوں کا ترسیل کردہ وفد حالات کا جائزہ لے کر رپورٹیں تیار کرے گا اگر یہ رپورٹیں اطمینان بخش ہوئیں تو تمام تجارتی اور معاہداتی تعلقات بحال کر دیے جائیں گے۔ بنیادی مطالبہ یہ کہ بابری مسجد سے ہندو تعرض نہ کریں اور مندر دوسری جگہ تعمیر کریں۔

اگر ایک ارب مسلمانانِ عالم اپنے لشکر کی تباہ ہوتی ہوئی کروڑوں افراد کی صف کو بچانے کے لیے اس طرح کی تدبیر نہیں کر سکتے تو دُنیا میں ان کی ذلّت اور تباہی روز بروز بڑھتی

جائے گی۔

خدارا جاگیے ـــــ کروٹ لیجیے۔

پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔

استدراک

(چند ضروری حقائق، تاریخی مسائل اور واقعاتی مناظر)

اوّلین حقیقت ہمارے عالم اسلام کو ـــــ خصوصاً مؤقر عرب حکومتوں کو جو عقائد و احکام کا خیال رکھتی ہے اور مخالفتِ توحید کے چھوٹے چھوٹے اُمور پر شدید گرفت کرتی ہے (اور ہم اس کی تحسین کرتے ہیں) ـــــ یہ بات اچھی طرح جاننی چاہیے کہ شرک کی بدترین صورت بھارت میں رائج ہے۔ اس کا علم الاصنام خرافی کہانیوں اور فحش قصّوں سے بھرا پڑا ہے۔ اس قوم کی ہر تقریب اور ہر رسم کا سِرا دیوتاؤں (اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا) کی عجیب عجیب انتقامی، ہوس کارانہ اور چالبازیوں سے جا کر جڑتا ہے۔ اس قوم نے نہ صرف خداوندی کرنے والے بُت تراشے، بلکہ بقول اپنے نیک بزرگوں اور لیڈروں کے بھی بُت بنائے، انسان کی ہر بُری بھلی جبلت کے بھی بُت بنائے، بلکہ دُنیا کی ہر شے کو پُوج ڈالا۔ درختوں کی پُوجا، پیپل کی پُوجا، تُلسی پودے کی پوجا، گائے کی پُوجا، گائے کے گوبر اور پیشاب کو ”طاہر و مطہر“ قرار دینا اور اگر کوئی گائے کا گوشت کھانے والا ہو تو اُسے بدترین جرمِ شنیع کا مرتکب قرار دینا، سانپوں کی پُوجا کرنا، موروں اور بندروں کی پوجا کرنا، سُورج دیوتا اور چندرماں دیوتا اور دریاؤں اور پہاڑوں اور آسمانی بجلی کی پوجا کرنا، مرد و زن کے اعضائے جنسی کے بڑے بڑے نمونے بنا کر اُن کی پرستش کرنا اور اگر کہیں وہ اصل حالت میں اس مقصد کے لیے حاصل ہوں تو بس مُکتی کا ذریعہ۔

شیطانی رجس میں لتھڑی ہوئی اس قوم کو پہلے مسلمان تاجروں نے، پھر محمد بن قاسم اور اس کے لشکریوں نے، پھر بعض اچھے حکمرانوں نے اور بہت بڑے پیمانے پر صوفیا نے شرک کے اس کھن چکر سے نکالنے کی کوشش کی۔ اور انہوں نے بڑی کامیابی بھی حاصل کی۔ یہ اپنے گندے طرز شرک کے منکرین کو ملیچھ (ناپاک) کہتے ہیں اور ان سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ ان کا ہاتھ اگر ان کے کھانے پینے کے کسی برتن کو چھو جائے تو وہ کھانا اور مشروب ان کے لیے حرام ہو جاتا ہے۔ توحید خالص کی وجہ سے یہ مسلمانوں کے بدترین دشمن رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔

مسلمانوں کے حکومت کے پورے دور میں جہاں مسلمانوں نے ان کو درباروں میں لیا اور عہدوں سے نوازا، انہوں نے سازشیں اور جاسوسیاں کر کے اپنے ہندو گروہوں کو راز پہنچائے اور بغاوتیں پیدا کرا کے دوسرے فائدے اٹھائے۔ خصوصاً مرہٹوں نے مسلمان حکومتوں کو پریشان اور عوام کو خستہ حال کرنے میں جو خوفناک کردار ادا کیا ہے، اس کی وجہ سے شاہ ولی اللہؒ مجبور ہوئے کہ انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو خطوط لکھ کر دعوت دی کہ وہ آئے اور مسلمان حکمران تو کیا، مسلمان قوم کو مصیبت سے بچائے۔

پھر ان ہندوؤں نے ایک بھاری سازش مسلمانوں کے خلاف یہ کی کہ اکبر بادشاہ جو تعلیم سے کورا تھا۔ اور خصوصاً ایمانی روشنی اور دینی شعور اس کے اندر قوی نہیں تھا، اور اس حال میں وہ ہندوؤں، باہر سے آنے والے پادریوں اور شاہ پرست درباریوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ اسے ہندوؤں نے اپنی بیٹیاں دے دے کر ان کو ملکائیں بنوایا اور محل کے اندر سے بادشاہ کے دماغ اور سینے میں نقب لگائی گئی۔ یہاں تک کہ تدریجاً اکبر نے اسلام کے بجائے نیا دین الٰہی تجویز کیا۔ جو ہندوؤں، عیسائیوں، شیعوں اور عام مسلمانوں کے مختلف اصول و شعائر کا مجموعہ تھا۔ شریعتِ اسلام کے شعائر جبراً ختم کر دیئے گئے۔ علماء کو حوالۂ موت و زندان کیا گیا۔ سور اور کتے پالے جانے لگے۔ اور ان کا احترام کرنے کے احکام جاری ہوئے۔ ڈاڑھیاں منڈوانے کے رواج کا آغاز ہوا۔

اس فتنے کے خلاف کن جتنوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مساعی سے تدریجی تبدیلیاں ہوتے ہوتے تیسری چوتھی بادشاہی میں جا کر اورنگ زیب کے ہاتھوں بڑی حد تک صحیح مسلمان حکومت قائم ہوئی۔ اس حکومت کے قیام اور اسے تباہ کرنے کے لیے ہندو سیاست کاروں اور جنگ بازوں نے ہر ممکن کوشش کی۔ اس کے بھائیوں خصوصاً دارا شکوہ کو شریعتِ اسلامیہ سے آزاد قسم کے تصوف کا علمبردار بنایا۔ اور اس تصوف کا رشتہ اکبری دور کے طرزِ فکر سے ملتا تھا جو ہندوؤں، مسلمانوں اور دوسرے سارے لوگوں کو ملا کر ایک نئے مسلک کی طرف لے جاتا تھا جو اسلام کا بالکل نقیض تھا۔

اگلا دور مغلیہ حکومت کے خاتمے کا ہے۔ اس میں ہندوؤں نے انگریزی سامراج کا پورا ساتھ دے کر مسلمانوں کو خوب مروایا اور کچلوایا اور حکومت کا قرب اور اس کے مناصب اور تعلیمی زینے پر چڑھنے کا زور شور سے آغاز کر دیا اور سرمائے کے زور سے یہودیوں کی طرح تمام تجارت و صنعت پر قبضہ جما کر مسلمانوں کو محض چھوٹے موٹے کام کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ بلکہ بعض جگہ تو سود کے پھندے سے ان کو اور ان کے بیوی بچوں کو غلام بنا کر استعمال کیا۔

آزادی کے لیے ہندوؤں سے بڑھ کر قربانیاں دینے والے مسلمانوں کے لیے جب تحریک خلافت کی ناکامی اور کانگریس کے پردے میں ہندوؤں کی کھلی کھلی متعصبانہ زیادتیوں کا دور شروع ہوا تو انہوں نے جداگانہ سیاست کا راستہ اختیار کر کے اپنی جداگانہ قومیت کا علم بلند کیا اور جداگانہ وطن کا مطالبہ اٹھایا۔ ہندوؤں کے لیے یہ تصور بڑا ہی سخت تھا کہ پاگل اونٹوں کی طرح جن ہرنوں کو وہ گھٹنوں تلے کچلنے کے عادی تھے وہ چھٹکارا پا جائیں۔ نئی لادین جمہوریت والی ہندو ریاست کو تو مسلم اقلیت جیسی بے بس رعیت اور کہاں مل سکتی تھی۔ چنانچہ ہندوؤں نے مسلمان علما کی تنظیموں کو قوم سے بھاڑ کر الگ کیا۔ اور کانگریس کا رتھ کھینچنے کی خدمت پر لگا دیا۔ (ان میں بہت سے لوگ نیک نیت اور خطرناک حالات سے بے شعور بھی ہوں گے)۔ ان علما سے ایک خدمت انہوں نے یہ لی کہ یہ اپنی قوم کو دینی بنیادوں پر ہندو سے الگ ریاست

بنانے کے سوال کو اُٹھانے سے روکیں۔

اس کے علی الرغم جب پاکستان بننا طے ہو گیا تو ماؤنٹ بیٹن کی مدد سے باؤنڈری کمیشن سے ساز باز کر کے سرحدی خط کو پاکستان کے لیے نقصان دہ شکل میں طے کرایا۔ حیدر آباد، جونا گڑھ اور کشمیر پر جابرانہ قبضہ کیا۔ پھر تقسیم کے وقت بھارت سے پاکستان آنے والے لاکھوں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دیں۔ تقسیم کے اثاثے روک لیے۔ پھر وقت آنے پر بڑی لمبی سازش کر کے سابق مشرقی پاکستان کو الگ کرایا اور بنگلہ دیش بنوایا مگر بنگلہ دیش میں بھی وہی رُوح اسلامی کام کر رہی ہے لہٰذا اسکیم یہ ہے کہ اس میں سے ہندو اکثریت کا ایک ٹکڑا اور کٹوایا جائے۔ اور ادھر کئی سال سے تیاری کی جا رہی ہے کہ سندھ کو پاکستان سے کاٹ لیا جائے۔

اسی کے ساتھ ساتھ ایک شاطرانہ چال یہ چلی گئی کہ ایک ایسی حکومت کو پاکستان میں اُبھارنے کی کوشش کی گئی جو بھارت کی ممنونِ احسان اور آلہ کار بن کر اس کے منشا کے مطابق یہاں کی صنعت و تجارت، نظم و نسق، فوجی قوت اور تحفظِ رموزِ مملکت کو خراب کرنے کا موقع دے اور ان کوششوں کا کھلے کھلے الفاظ میں اخباروں میں اور بیانوں میں اظہار کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ نیز ستم یہ کہ ہمارے اُوپر یہودیوں کو مسلط کرانے میں بھارتی ماہرین نے خفیہ پارٹ ادا کیا، کیونکہ یہود و ہنود ایک ہیں۔

پاکستان کے پانیوں کا چالاکی سے سودا کر کے ہماری عروقِ معیشت میں نشتر لگا دیئے گئے، اور اب اس ناجائز معاہدے سے بھی آگے بڑھ کر پاکستان کے طے شدہ دریا، دریائے جہلم پر وولر بیراج بنایا جا رہا ہے کہ ایک طرف سے تو پنجاب بھر کو پانی کی قلت سے تباہ کر دیا جائے اور دوسری طرف جب سیلاب آئے تو پانی پاکستان کی طرف چھوڑ کر اسے نقصان پہنچایا جائے۔ حالانکہ یہ تعمیر ہی بنیادی طور پر غلط ہے، اور ہم اس کے خلاف لڑیں گے۔

یہ ہے وہ بھارت جس کا دوسرا سادہ پروگرام یہ ہے کہ موقع بہ موقع عوام کے مذہبی جنون کو بھڑکا کر مسلمانوں کو مروایا جاتا رہے۔ کیونکہ ان کا پروگرام اعلان کردہ

یہ ہے کہ بھارت میں جو رہے گا وہ ہندو بن کر رہے گا، ورنہ وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

اس پس منظر کے ساتھ اب تازہ حالات و واقعات کی جھلک ملاحظہ ہو :

۱ — ۱۹۴۷ء سے اب تک ۲۵ ہزار مسلم کش بلوے ہو چکے ہیں۔ یہ زیادہ تر شمالی اور وسطی ہند میں ہوئے جہاں برہمن ازم کا غلبہ رہا۔ جنوبی ہند میں بہت کم واقعات ایسے ہوئے۔ ان میں اندازاً ۱۱ لاکھ بے گناہ مسلمان شہید ہوئے۔ اور کئی ارب روپے کی املاک تباہ ہوئیں۔ گذشتہ سال کے ۱۱۶ ہنگامہ ہائے مسلم کشی میں سے ۵۵ فیصد دیہات میں ہوئے۔ جہاں نہ تو رپورٹنگ اور رسل و رسائل کے انتظامات ہوتے ہیں اور نہ تحفظ امن کے سرکاری محکمے۔ اس لیے مظلوموں کی بے بسی اور بڑھ جاتی ہے۔ حالیہ بدایوں کے فسادات میں ۴۷ء کے بعد پہلی بار ایسا ہوا کہ چلتی گاڑی کو روک کر جنونی ہندوؤں نے مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر باہر نکالا اور خنجروں اور بھالوں سے ہلاک کر دیا۔

۲ — اس وقت جو طوفان برپا ہے، اس کی ذمہ داری میں (ا)، ہندوؤں کی عالمی تنظیم ورلڈ ہندو آرگنائزیشن، (ب)، بھارت جنتا پارٹی (ج)، راشٹریہ سیوک سنگھ۔ (د)، کانگریس آئی، اور چھوٹی چھوٹی دیگر ہندو تنظیمیں شامل ہیں۔

۳ — ہندو دھرم کی تعلیمات کے مطابق رام ایک فرضی مذہبی شخصیت ہے جو ہندوؤں کے دیوتا وشنو کا اوتار تھا۔ ابھی ہندو عالم رام کا جنم ثابت نہیں کر پائے۔ ایک افسانوی شخصیت کے لیے رام جنم بھومی کا پاکھنڈ تراشا گیا ہے۔

۴ — رام سے ہزاروں برس پہلے اجودھیا بودھ مت کا مقدس مقام بنا۔ مشہور مذہبی سکالر سوڈنی کافٹ نے لکھا ہے کہ بدھ نے اجودھیا میں تپسیا کرنے کے بعد گیان حاصل کیا۔ یہاں بدھ کا اسٹوپا کیوں نہ بنایا جائے۔

۵ — جدید سائنسی طریق سے جائزہ لینے پر مسجد کی عمارت کے نیچے کوئی ایسی تعمیری علامت نہیں ملی جس سے شبہ کیا جا سکے کہ یہاں مندر تھا۔

۶ — مسٹر ستیہ پال نے کہا ہے کہ کوئی وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ سری رام کس جگہ پیدا

ہوئے تھے۔ اجودھیا میں کم از کم ۶ مندروں کے پجاریوں کا یہ کہنا ہے کہ رام ٹھیک اسی جگہ (یعنی انہی کے مندر کی جگہ) پیدا ہوئے۔

۷ ـــ اجودھیا ہی میں راجہ دشرتھ کا محل بھی موجود ہے جہاں اُن کی بیوی کوشلیا رہتی تھیں۔ اور رام کی ولادت اسی محل میں ہوئی ہوگی۔ یہ محل مسجد بابری سے میلوں کے فاصلے پر واقع ہے۔

۸ ـــ اجودھیا میں ۴ ہزار مندر ہیں۔ ۲۵ ہزار سے زیادہ پنڈت اور سادھو ہیں۔ یہ جگہ جرائم اور بدعنوانیوں کی آماجگاہ ہے۔ مفرور مجرم یہاں آکر گیروے کپڑے پہن کر سادھوؤں میں مل جاتے ہیں اور پولیس کچھ نہیں کرسکتی۔ (یہ بھارت کا ویٹیکن ہے) سی آئی ڈی کے ایک آدمی کو سادھوؤں کے روپ میں وہاں بھجوایا گیا۔ دس دن میں اس کو قتل کرکے اس کی لاش بھی غائب کر دی گئی۔

۹ ـــ بابر کے متعلق دستیاب کتب میں کسی ایک میں بھی مندر کے انہدام کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ہندو مؤرخین میں سے بھی کسی نے بابر سے ایسی حرکت منسوب نہیں کی۔

۱۰ ـــ بابر کا وصیت نامہ بنام ہمایوں ـــ (اقتباس) ـــ "اے فرزند! ہندوستان سلطنت مختلف مذاہب سے بھری ہے۔ خدا کا شکر ہے .... تم پر لازم ہے کہ اپنے لوح دل سے تمام مذہبی تعصبات کو مٹا دو اور ہر مذہب کے ساتھ انصاف کرو۔ ـــ یہاں کے لوگوں کے مندروں اور عبادت گاہوں کو کبھی منہدم نہ کرنا۔

۱۱ ـــ تاریخی لحاظ سے کتبوں کی اہمیت خاص ہوتی ہے۔ بابری مسجد میں ۳ کتبے نصب ہیں۔ ایک پتھر کی ۲ میٹر لمبی اور ۵۵ سنٹی میٹر چوڑی تختی ہے۔ اس پر حرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور تین اشعار درج ہیں ـــ دوسری پر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے۔ پھر حضور کو تمام انبیاء کا سردار لکھا ہے۔ پھر دو سطروں میں بابر کا تذکرہ ہے پھر لکھا ہے کہ یہ مسجد میر باقی نے ۹۳۵ھ میں تعمیر کرائی۔

۱۲ ـــ موجودہ اجودھیا کی آبادی کا وجود رام جی سے ۱۸ سو سال بعد ہوا ہے۔ رام جی کے سوا چار ہزار سال بعد مسجد اجودھیا تعمیر ہوئی۔ اگر یہاں ہندوؤں کا کوئی مقدس

استحقاق ہوتا تو صدیوں سے یہاں مذہبی سرگرمیاں جاری ہوتیں، مگر آج تک سناٹا رہا۔

۱۳۔ انگریزوں نے ہندو مسلمانوں کو لڑانے کے لیے جو شرارتیں کیں، ان میں سے ایک یہ بھی کہ واجد علی شاہ کے ابتدائی دور میں اس افسانہ کا خاکہ تیار کیا۔ ایک نجومی کی خدمات مستعار لی گئیں۔ (کیسا ملک ہے جہاں مورخ اور سائنسدان کی جگہ نجومی کافی ہے)۔ اس نے زائچہ کھینچ کر رام کی جنم بھومی اور سیتا کی رسوئی (باورچی خانہ) کا محل وقوع بابری مسجد کے اندر بتایا۔ چنانچہ پروپیگنڈے اور ہنگامے کے زور سے انگریزوں نے یہ مقامات واجد علی شاہ کے وزیر تقی علی خاں کے ذریعے ہندوؤں کو دلوا دیے۔

۱۴۔ تاہم مسجد میں نماز ۲۲ دسمبر ۱۹۴۹ء تک ہوتی رہی۔ بعد میں عدالت کے حکم سے مقفل کر دی گئی۔ ۲۲، ۲۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کی رات کو پنڈت ابھے رام داس نے ضلع مجسٹریٹ کی ملی بھگت سے چیلوں چانٹوں کی مدد لے کر مسجد کی دیوار پھاند کر عین محراب کے اندر رام کی مورتی رکھ دی۔

۱۵۔ مسجد کا کیس عدالتِ عالیہ میں ہونے کے باوجود ڈسٹرکٹ جج این اگروال سے رام جنم بھومی والے متنازعہ مقام پر پوجا پارٹ کی اجازت حاصل کر لی۔

۱۶۔ مسلمانوں میں اضطراب پھیلا تو اندیشۂ نقضِ امن کی بنیاد پر انہیں مسجد میں جانے یا اجودھیا میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔

۱۷۔ ان حالات میں عدالتِ عالیہ نے حکم جاری کیا کہ کوئی پارٹی فیصلے سے قبل کسی قسم کی تعمیر نہیں کر سکتی۔

۱۸۔ اس کے باوجود وشنو ہندو پریشد نے مندر کا سنگِ بنیاد رکھنے کا اعلان کر دیا۔

۱۹۔ ملک بھر میں رام کا نام کندہ شدہ اینٹیں تیار کی گئیں۔ پہلے تو ہر جگہ ان کی تقریب منعقد کی گئی جس کے نتیجے میں کئی فسادات ہوئے۔

۲۰۔ پھر یہ اینٹیں ایک لاکھ سرسٹھ ہزار ایک سو تریسٹھ کی تعداد میں ہر طرف سے جمع ہوئیں اور ۹ - ۱۰ نومبر کو جمعرات اور جمعہ کے دن ۲۷ گھنٹے تک مندر کی بنیاد میں مسجد کے

بالکل سامنے رکھنے کا کام فوجی پہرے میں ہوتا رہا۔ سات سات فٹ گہری بنیادیں کھودی گئیں۔ ابتدا میں چوبیس سادھوؤں اور بڑے مہنتوں اور پجاریوں نے اینٹیں رکھیں اور پھر دوسرے مذہبی اور سیاسی لوگوں سے رکھائی گئیں۔ مختلف مندروں میں اشلوکوں کا ورد ہوتا رہا۔

۲۱ — اس قضیے کی وجہ سے متعصب جنونی ہندو اکثریت نے ایک تو بھاگل پور شہر میں تباہی مچادی۔ بی۔ بی۔ سی کے مطابق مسلمانوں کی اموات ایک ہزار سے زیادہ ہوئیں اس کے علاوہ .... آس پاس کے علاقوں میں مرنے والوں کی تعداد ہزاروں سے کم نہیں۔ انڈین ایکسپریس کے فوٹو گرافر نے ٹومالی گاؤں کا دورہ کیا تو وہاں نہ کوئی گھر سلامت تھا، نہ کوئی فرد زندہ بچا۔ ایک غیر متعصب ہندو خاندان کے سامنے ۱۹ افراد سمیت کو قتل کیا گیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے سربراہ خاندان پہ دل کا دورہ پڑا اور وہ ختم ہو گئے۔ سینکڑوں لاشیں دریائے گنگا میں تیرتی پائی گئیں۔ ایک کنوئیں سے تیس لاشیں برآمد ہوئیں جنہیں دس روز پہلے ہلاک کیا گیا تھا۔ ۲۵ ہزار افراد کیمپوں میں ہیں غذا اور دوا کا کوئی انتظام نہیں۔ بھاگلپور ریلوے اسٹیشن کی پٹڑی پہ ایک حاملہ عورت کا پیٹ پتھروں سے کچلا گیا۔ یہ تفصیلات بہت زیادہ ہیں، لکھی نہیں جاسکتیں۔

۲۲ — انتہا پسند ہندوؤں کی جماعت شیوسینا کے رہنما بال ٹھاکرے کی چند باتیں — "ہندوستان میں صرف ہندوازم کا بول بالا ہو" دگروہ بہ حیثیت نظام ہے کیا[1])

---

[1] رام راجیہ کا لفظ ہندوستان کی سیاسی لغت میں ۱۹۱۹ء میں پہلی بار استعمال ہوا۔ (مسلمانوں کے اسلامی نظام کے جواب کے طور پر) ۲۵ء اور ۳۶ء کے بعد کی سیاست میں اس کا استعمال نہیں ہوا۔ اب یہ لفظ دوبارہ آیا ہے۔ آیا یہ مذہبی بات ہے یا سیاسی پہلے یہ تو بتاؤ کہ رام راجیہ کا سیاسی نظام کیا ہے۔ معاشی خصوصیات کیا ہیں؟ معاشرتی ڈھانچہ کیا ہے؟ اخلاقی ضابطے کیا ہیں؟ عقیدے کیا ہیں؟ انسانوں سے سلوک کرنے کے آداب کیا ہیں؟ آخر تم مسلمانوں یا دنیا کے انسانوں کو کس چیز کی (باقی بر صفحہ آئندہ)

— "ہندوستان میں اگر مسلمان رہنا چاہتے ہیں تو انہیں ہندو دھرم کو تقدس کا درجہ دینا ہوگا" — "مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی مسجد کو اٹھا کر کسی دوسری جگہ لے جائیں، یہاں مندر بنے گا" — "کسی بھی قدیم مسجد کو کھودو اس کی بنیادوں میں ایک مندر ضرور ملے گا۔ ہمیں صرف بابری مسجد دے دو" — "کاشی (بنارس) کا وشیوناتھ مندر اور شری کرشن کی جنم بھومی یہ سب ہمارا ہے۔ اب یہ ہمارا ملک ہے۔ چپہ چپہ ہمارا ہے یعنی ہندوؤں کا — مسلمان اپنے ہلالی پرچم اور سبز رنگ کو بھول جائیں" — "میں پوچھتا ہوں ۱۹۴۷ء میں ان کی تعداد محض ۵ کروڑ تھی۔ (؟) آج ۴۲ سال میں وہ پندرہ کروڑ کیسے ہوگئے" — "ہمیں شیوا جیسے ہندو چاہئیں۔ اب پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے۔

نوٹ:۔ یہ فضا ہے جس میں ہمارے نوجوان کرکٹ میچ انڈیا والوں سے کھیل رہے ہیں۔ گلوکارائیں اور اداکارائیں آرہی ہیں۔ وولڈ بیراج ہماری قوم کی مرضی کے بغیر اس کی تباہی کے لیے بن رہا ہے۔

اندریں حالات کیسی تجارت، کیسی دوستی، کیسے بین المملکتی کھیل، ہم راکششوں کے دیس سے کوئی امید خیر نہیں رکھتے۔

پاکستان فوری طور پر عالم اسلام کی کانفرنس بلوائے۔ ہم سب مسلمانوں کی نسل کشی کے معاملے اور ظلم و بہیمیت کے معاملے کو اٹھا سکتے ہیں۔ آسیان کی تنظیم میں لے جاسکتے ہیں، سارک میں لے جاسکتے ہیں — دولت مشترکہ میں لے جاسکتے ہیں (یا پھر اعلان کرکے اس وقت تک انڈیا کے ساتھ وہاں بیٹھنا نہیں چاہیے، جب تک صورت حالات درست نہ ہو) ہم اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں لے جاسکتے ہیں۔ ہیگ کی بین الاقوامی عدالت میں لے جاسکتے ہیں۔ پروپیگنڈہ مشینری کو جدید طریقوں سے ساری دنیا میں متحرک کرسکتے ہیں محض جذباتیت سے کیا بنے گا۔ کراچی میں ایک ہندو کھلاڑی نے ایک مسلمان کی سخت پٹائی کی۔[1]

---

[1] اخباری تصاویر گواہ ہیں کہ کئی ہندو کھلاڑیوں نے اسے مل کر اذیت دی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دعوت دو گے؟ محض رام راجیہ کے جیکاروں سے تو کام نہیں چلے گا۔

حکمتِ سیّد مودودیؒ

ہمارے اجتماعات

ہمارے اجتماعات کی نوعیت "جلسوں" سے بالکل مختلف ہے۔ جلسوں اور کانفرنسوں میں زیادہ تر تقریریں ہوتی ہیں، جلوس نکلتے ہیں۔ نعرے بلند کیے جاتے ہیں لیکن اس نوعیت کی کوئی چیز یہاں نہ ہوئی نہ ہوگی۔ ہمارے ان اجتماعات کے انعقاد کی اصل غرض ہنگامہ آرائی نہیں ہے اور نہ توجہات عوام کو اپنی طرف کھینچنا مقصود ہے، بلکہ غرض صرف یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے واقف ہوں۔ باہم قریب تر ہو جائیں۔ آپس میں تعاون کی سبیلیں نکالیں۔ صاحبِ امر آپ سے اور آپ صاحبِ امر سے شخصی طور پر واقف ہوں۔ اور اسے آپ کی قوتوں اور صلاحیتوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو تاکہ وہ آپ سے منظم کام لینے کی کوشش کرے۔ وقتاً فوقتاً ہم اپنا اور اپنے کام کا جائزہ لیتے رہیں۔ اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو سمجھیں اور انہیں دُور کرنے کی کوشش کریں اور باہمی مشوروں سے اپنے کام کو آگے بڑھانے کی تدبیریں سوچیں۔ غرض ہمارے یہ اجتماعات اپنے اندر عملی رُوح رکھتے ہیں۔ ان میں جلسوں کی نوعیت کی کوئی چیز نہ آپ پا سکتے ہیں اور نہ آپ کو اسے پانے کی خواہش کرنی چاہیے۔ اگر ابھی تک جلسہ بازی کی پرانی عادتوں کا کچھ اثر آپ میں موجود ہو اور ان چیزوں کی کوئی تشنگی آپ اپنے اندر پاتے ہوں تو اسے بھی نکالنے کی کوشش کیجیے۔ ان ہنگاموں میں فی الواقع کچھ نہیں رکھا ہے۔ فضول کاموں میں ذرہ برابر وقت ضائع نہ کیجیے۔ بس کام کی بات کیجیے اور پھر اپنا فرض ادا کرنے میں لگ جائیے۔

(اقتباس اخذ کردہ محمد یوسف صاحب از رُوداد جماعت اسلامی۔ حصہ سوم)

عورت کی سربراہی سے متعلق حدیث کی اسنادی تحقیق

جناب مولانا گوہر رحمٰن صاحب

فروری ۱۹۸۹ء میں "عورت کی سربراہی قرآن وسنّت کی روشنی میں" کے نام سے میرا ایک پمفلٹ جمعیت اتحاد العلماء نے شائع کیا تھا جس کا خلاصہ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور کے اپریل، مئی اور جون ۱۹۸۹ء کے شماروں میں بھی قسط وار شائع ہوا تھا۔ اِس کتابچے میں ۴ آیاتِ قرآنیہ، ۵ احادیثِ نبویہ اور اجماعِ اُمّت سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عورت کی حکمرانی ممنوع ہے، اور پاکستان کے آئین کی دفعات ۱-۲-۲الف-۴۱ (۲) اور ۶۲ (د-ہ-و) کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عورت کو ریاست کا سربراہ اور حکمران مقرر نہ کیا جائے۔ مضمون میں ۱۱ شبہات کا جواب بھی تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے۔ احادیث میں سے ایک حدیث یہ پیش کی گئی ہے:

لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً (بخاری شریف)

"وہ قوم کبھی کامیاب نہ ہو گی جس نے عورت کو اپنا حکمران بنا لیا ہو۔"

چونکہ بخاری...... کی احادیث بالاتفاق صحیح ہیں اس لیے میں نے اس حدیث کی سند پر بحث نہیں کی تھی لیکن بعد میں بعض صحافیوں نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی شیعہ اور قدری ہے۔ اس لیے یہ قابلِ استدلال نہیں ہے۔ میرے دوستوں اور شاگردوں نے توجہ دلائی کہ بے نظیر کے حامی اس بات کو بڑے پیمانے پر پھیلا رہے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے ـــ اور

ناقابلِ استدلال ہے۔ میرے مضمون میں صرف اسی حدیث کو دلیل نہیں بنایا گیا بلکہ آیات قرآنیہ اور اجماعِ اُمت کو اصل دلیل بنایا گیا ہے اور تین دوسری احادیث بھی نقل کی گئی ہیں۔ اگر مفروضے کے طور پر اس دعوے کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس حدیث کی ایک سند ضعیف ہے پھر بھی اصل مسئلے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ دوسرے واضح اور کھلے دلائل بھی موجود ہیں۔ اور خود اس حدیث کے دوسرے ایسے اسانید بھی موجود ہیں جن میں وہ راوی نہیں آیا جسے شیعہ اور قدری کہا گیا ہے۔ (عوف بن ابی جمیلہؒ)۔ لیکن میرے دوستوں نے بھی مشورہ دیا اور میں نے خود بھی ضروری سمجھا کہ اتمامِ حجت اور مغالطہ انگیزی کے انسداد کے لیے مذکورہ بالا حدیث کی سند پر بھی اگر علمی بحث ہو جائے تو زیادہ مفید رہے گا۔ یہی میری اس تحریر کا باعث ہے اور اسے میرے پمفلٹ "عورت کی سربراہی قرآن وسنت کی روشنی میں" کا تتمہ سمجھنا چاہیے۔ واللہ یھدی السبیل۔

صحیح بخاری قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب ہے

امام ابن الصلاح متوفی ۶۴۳ھ لکھتے ہیں:

وکتاباھما اصح الکتب بعد کتاب اللہ العزیز.......

ثم کتاب البخاری اصح الکتابین صحیحاً [1]

"بخاری اور مسلم کی کتابیں اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں پھر ان دو کتابوں میں صحیح ترین امام بخاری کی کتاب ہے۔

ابن الصلاحؒ اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لاتفاق الامة علی تلقی ما اتفقا علیہ بالقبول وھذا

---

[1] علوم الحدیث لابن الصلاح طبع مکتبہ علمیہ مدینہ ۱۹۷۲ء۔ ص ۱۴

القسم جمیعه مقطوع بصحته والعلم النظری الیقینی واقع
به والامة معصومة فی اجماعها ومن فوائدها القول
بان ما انفرد به البخاری او مسلم مندرج فی قبیل ما یقطع
بصحته لتلقی کل واحد من کتابیهما بالقبول[1]

"اس لیے کہ امت ہر اس حدیث کو قبول کرنے پر متفق ہو گئی ہے جس
پر بخاری اور مسلم دونوں نے اتفاق کر لیا ہو۔ حدیث کی یہ قسم (متفق علیہ)
قطعی طور پر صحیح سمجھی جاتی ہے اور اس سے یقینی اور نظری علم حاصل ہوتا
ہے، اس لیے کہ امت اپنے اجماع میں معصوم ہے (اس کا اجماع
غلط نہیں ہو سکتا) اس دلیل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس حدیث
کو تنہا بخاری نے یا تنہا مسلم نے نقل کیا ہو (دونوں نے نقل نہ کیا ہو)
وہ بھی قطعی طور پر صحیح حدیثوں کی قسم میں شامل ہوتی ہے اس لیے کہ
امت نے ان دونوں کتابوں کو قبول کرنے پر اتفاق کیا ہے۔"

ابن حجر عسقلانیؒ متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں:

"امام بخاریؒ کا کسی راوی سے حدیث نقل کرنا اس بات کی دلیل
ہے کہ بخاریؒ کے نزدیک یہ راوی عادل ہے اور مضبوط حافظے کا مالک
ہے..... ابوالحسن مقدسیؒ نے کہا ہے کہ جس راوی سے بخاری نے صحیح
بخاری میں حدیث نقل کی ہو وہ امتحان کے پل سے گزر چکا ہے اور جو
شخص اس راوی پر جرح کرتا ہے وہ قابلِ التفات نہیں ہے۔ امام ابوالفتح
قشیری نے کہا ہے کہ ہماری بھی یہی رائے ہے۔"[2]

---

[1] علوم الحدیث ص ۲۴-۲۵۔

[2] ھدی الساری مقدمہ فتح الباری۔ طبع مکتبۂ سلفیہ قاہرہ ۱۴۰۸ھ
ص ۴۰۳۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

شافعیہ میں سے امام ابو حامد اسفرائینیؒ، قاضی ابو الطیبؒ اور شیخ ابو اسحٰق شیرازی — حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسیؒ — مالکیہ میں سے قاضی عبدالوہابؒ — حنابلہ میں سے قاضی ابو یعلیٰؒ اور ابو الخطابؒ — اشاعرہ میں سے ابن فورکؒ — اکثر متکلمینؒ اور سب اہلِ حدیث و سلف سے بھی یہی منقول ہے .... کہ بخاری و مسلم کی احادیث (متصلہ) قطعی طور پر صحیح ہیں۔[1]

شاہ ولی اللہؒ متوفی ۱۱۷۶ھ اور شاہ عبدالعزیزؒ متوفی ۱۲۳۹ھ دونوں نے لکھا ہے کہ کتب حدیث کے چار طبقے ہیں جن میں سے سب سے بلند ترین طبقہ تین کتابیں ہیں۔ مؤطا امام مالکؒ، صحیح بخاری اور صحیح مسلم ان کتابوں کی احادیث صحیح ترین احادیث شمار ہوتی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں:

احادیثِ ایں ہر سہ اصح الاحادیث اند۔ پس ایں ہر سہ کتاب را در طبقۂ اولی باید داشت[2]

مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری متوفی ۱۳۵۳ھ لکھتے ہیں:

محدثین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ بخاری مسلم کی تمام وہ حدیثیں جو سندِ متصل مرفوع کے ساتھ نقل ہوئی ہیں۔ وہ قطعی طور پر صحیح ہیں اور ان کتابوں کی نسبت ان کے مصنفین کی جانب متواتر ہے اور جو شخص ان کے اس درجے کو ہلکا کرتا ہے۔ وہ بدعتی ہے۔[3]

البتہ ابن الہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ اور اس کے شاگرد ابن امیر الحاجؒ متوفی.....

---

[1] تدریب الراوی از سیوطی طبع کراچی ۱۹۷۲ء ص ۱۳۲-۱۳۳۔

[2] عجالۂ نافعہ از شاہ عبدالعزیزؒ اور حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہؒ۔

[3] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۵۸ نقلاً عن حجۃ اللہ البالغہ۔

کی رائے یہ ہے کہ " بخاری و مسلم کی احادیث اگرچہ صحیح ہیں مگر تعارض کے وقت ان کی احادیث پر دوسری کتابوں کی احادیث کو دلائل کی بنا پر ترجیح دی جا سکتی ہے[۱]" لیکن زیر بحث حدیث کے مقابلے میں دوسری حدیث کسی کتاب میں بھی موجود نہیں ہے۔ اس لیے ترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ حدیث ابن الہمام اور ابن امیر الحاج کے اصول کے مطابق بھی صحیح ترین حدیث ہے۔

امام دار قطنی کی صحیحین کی احادیث پر تنقید کی حقیقت

اگرچہ امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ نے بخاری اور مسلم کی ۲۰۰ روایات پر تنقید کی ہے
متفق علیہ ۳۱ بخاری کی ۶۹ اور مسلم کی ۱۰۰ ــ کل ۲۰۰ =
لیکن ان روایات پر یہ تنقیدیں فنی قسم کی ہیں۔ ناقدین کا مقصد یہ ہے کہ بقول ان کے یہ روایات ان شرائط کے مطابق نہیں ہیں جو بخاری و مسلم نے عاید کی ہیں۔ تاہم ابن حجرؒ نے ان فنی اعتراضات کے بھی مثبت اور قوی جوابات دے دیئے ہیں[۲] عورت کی حکمرانی کی ممانعت سے متعلق زیر تحقیق اس حدیث پر دار قطنی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ اس کا ایک راوی عوف بن ابی جمیلہ ثقہ نہیں ہے یا شیعہ ہے۔ سند کے کسی دوسرے راوی پر بھی انہوں نے کوئی جرح نہیں کی۔ ان کا اعتراض صرف یہ ہے:

اخرج البخاری احادیث الحسنؒ عن ابی بکرۃؓ ......
منها لا یفلح قوم ولوا امرهم امرأة والحسن لا یروی
الا عن الاحنف عن ابی بکرۃؓ[۳]

" بخاریؒ نے حسن بصری کی احادیث نقل کی ہیں جنہیں وہ ابوبکرہ سے

[۱] فتح القدیر از ابن الہمام جلد ۱ ص ۳۱۷ - ۳۱۸ و جلد ۳ ص ۱۸۶ - اور التقریر والتحبیر لابن امیر الحاج جلد ۳ ص ۳۰ -
[۲] ہدی الساری ص ۳۶۴ تا ۴۰۲ فصل ثامن -
[۳] التتبع از دار قطنی طبع بیروت ۱۹۸۵ء ص ۲۲۲ -

نقل کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے کہ "وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو گی جس نے عورت کو اپنا حکمران بنا لیا ہو" حالانکہ حسنؒ کی روایت تو احنف سے ہے اور احنف ابوبکرہؓ سے نقل کرتے ہیں"۔

یعنی حسن بصری نے ابوبکرہؓ سے احادیث خود براہ راست نہیں سنی ہیں بلکہ احنف سے سنی ہیں اور احنف نے ابوبکرہؓ سے سنی ہیں۔ اس لیے یہ حدیث منقطع ہے، اور درمیان میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے۔

لیکن یہ اعتراض اس لیے درست نہیں کہ حسن بصریؒ کا ابوبکرہؓ سے براہ راست سماع لقد سمعت کے صریح لفظ کے ساتھ ثابت ہے۔ بخاری شریف میں رسول اللہؐ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ "میرا یہ بیٹا (حسن بن علیؓ) مسلمانوں کا سردار ہے الخ اس حدیث کو حسن بصریؒ نے ابوبکرہؓ سے خود سنا تھا۔ بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں:

فقال الحسن ولقد سمعت ابا بکرۃ ...... قال علی ابن عبد اللہ انما ثبت لنا سماع الحسن من ابی بکرۃ بھذا الحدیث[1]

"حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ میں نے ابوبکرہؓ سے خود سنا ہے .....
امام بخاری فرماتے ہیں کہ علی بن عبد اللہ (المدینی) نے کہا ہے کہ حسن بصری کا ابوبکرہؓ سے سماع ہمیں اسی حدیث سے معلوم ہوا ہے"

بخاری کتاب الصلح اور کتاب الفتن میں تو لقد سمعت کا لفظ آیا ہے، لیکن بخاری کتاب المناقب باب فضائل اصحاب النبیؐ، مناقب الحسنؓ والحسینؓ میں عن الحسن انہ سمع ابا بکرۃؓ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی حسن نے یہ حدیث ابوبکرہؓ سے خود سنی ہے"۔ قاعدہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح باب قول النبی ابنی ہذا سید اور کتاب الفتن باب قول النبی ابنی ہذا سید،

یہ ہے کہ جب کسی راوی کا دوسرے راوی سے براہِ راست سماع اور ملاقات ایک حدیث میں بھی ثابت ہو جائے تو اس کی ساری روایات اُس سے براہِ راست سُنی ہوئی سمجھی جائیں گی۔ اگرچہ وہ حرف عَنْ کے ساتھ نقل ہوئی ہوں بشرطیکہ راوی ثقہ اور سچا ہو اور حسن بصری کا ثقہ ہونا اتفاقی ہے۔ یہ قاعدہ بھی امام بخاری کا ہے ورنہ امام مسلم اور جمہور کے نزدیک براہ راست سماع کا ثبوت صریح الفاظ میں ضروری نہیں ہے بلکہ ہم عصر ہونا بھی کافی ہے اور حسن بصری اور ابوبکرہ رضی کا ہم عصر ہونا ثابت ہے اس لیے کہ ابن حجر نے لکھا ہے۔

ابوبکرہ رضی نُفیع بن حارث ثقفی رضی کا انتقال بصرہ میں ۵۲ھ میں ہوا تھا۔[۱]

اور علامہ ابونصر الکلاباذی رح متوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

"حسن بصری کی ولادت ۲۱ھ میں ہوئی تھی۔ ۳۷ھ میں (جنگِ صفین کے سال) یہ مدینہ منورہ سے بصرہ منتقل ہو گئے تھے (۱۶ سال کی عمر میں) اور ۱۱۰ھ میں ان کا انتقال بصرہ میں ہوا تھا۔"[۲]

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوبکرہ رضی کی وفات کے وقت حسن بصری کی عمر ۳۱ سال تھی اور اس وقت اس کے بصرہ میں قیام کے ۱۵ سال ہو گئے تھے لہٰذا دونوں کا ہم عصر ہونا واضح طور پر ثابت ہے۔ بہر حال حسن بصری کا ابوبکرہ رضی سے صریح الفاظ میں سماع بھی بخاری کی تین سندوں میں ثابت ہے اور دونوں کا ہم عصر ہونا بھی واضح طور پر ثابت ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ حسن بصری نے ابوبکرہ رضی کی حدیثیں احنف سے سُنی ہیں تو ابن حجر فرماتے ہیں:

"وہ دوسری روایت ہے جسے اُس نے احنف کے واسطے سے نقل کیا ہے اور اس روایت کو اس نے براہِ راست ابوبکرہ رضی سے سُنا ہے۔"[۳]

---

[۱] الاصابہ لابن حجر رح جلد ۳ ص ۵۷۱ و اُسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۸۔
[۲] رجال البخاری از کلاباذی رح طبع بیروت ۱۹۸۷ء جلد ۱ ص ۱۶۷۔
[۳] ہدی الساری ص ۳۸۶ و ص ۳۹۰۔

حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند بالکل صحیح ہے

درج بالا اصولی تحقیق کے بعد اگرچہ اسنادی بحث کی ضرورت نہیں رہی لیکن چونکہ کچھ لوگوں نے یہ بحث چھیڑ دی ہے اس لیے اتمام حجت کے لیے اسنادی بحث بھی پیش کی جا رہی ہے۔

امام بخاریؒ ۲۵۶ھ نے یہ حدیث جس سند کے ساتھ نقل کی ہے، اس میں بخاریؒ اور رسولﷺ اللہ کے درمیان صرف چار واسطے ہیں:

عثمان بن ہیثمؒ — عوف بن ابی جمیلہؒ — حسن بصریؒ — ابوبکرہؓ۔[1]

محدثین نے راویوں کی توثیق کے لیے کچھ مخصوص الفاظ بطور اصطلاح وضع کیے ہیں۔ حافظ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے ان الفاظ کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے:

۱۔ توثیق کے سب سے اعلیٰ الفاظ یہ ہیں: ثَبْتٌ حُجَّۃٌ - ثبتٌ حافظ - ثقۃٌ مُتقنٌ - ثقۃ ثقۃٌ - دو مرتبہ۔

۲۔ اس کے بعد کے درجے کے الفاظ یہ ہیں: ثِقَۃٌ صَدُوْقٌ - لابأس بہٖ - لیس بہ بأسٌ۔

۳۔ تیسرے درجے کے الفاظ یہ ہیں: صالح الحدیث - جیّد الحدیث - حسن الحدیث - محلّہ الصدق - صدوقٌ ان شاء اللہ - شیخ وسط - صُوَیلح - اور اس طرح کے دوسرے الفاظ۔[2]

ان اصطلاحی الفاظ کی روشنی میں اس حدیث کے راویوں کا مقام و مرتبہ معلوم کرنے کے لیے درج ذیل اقوال پر غور فرمائیے۔

---

[1] المغازی باب کتاب النبیؐ الی کسریٰ وقیصر و کتاب الفتن باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر۔

[2] میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۴۔

۱۔ ابوبکرہ نُقیع بن حارث ثقفی بصریؓ تو صحابی ہیں اور صحابہ سب کے سب بالاتفاق ثقہ ہیں اور ان کا صحابی ہونا ہی ثقہ اور عادل ہونے کا بڑا ثبوت ہے۔ کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ ابوبکرہ سے اس حدیث کو حسن بن ابی الحسن (الیسار) بصری نے نقل کیا ہے، جو اپنے دور کے تابعین کے امام تھے۔ اس نے ۱۲۰ صحابہؓ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، اس کا ثقہ ہونا محدثین میں اتفاقی ہے۔ کسی نے اس پر جرح نہیں کی۔

"ابن سعدؒ نے اسے ثقہ، حجۃ اور ذہبیؒ نے اسے کبیر الشان عدیم النظیر کہا ہے"۔[1]

یعنی یہ ثقہ تھے، اس کی حدیث حجت ہے اور یہ بڑی شان والے تھے اور بے نظیر تھے۔

۳۔ امام بخاری نے اس حدیث کو عثمان بن ہَیْثَم سے سُنا ہے جو اس سند کے پہلے راوی ہیں۔ یہ بصرہ کے مؤذن تھے۔ اور بصرہ ہی میں ۲۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوا تھا — اس کے ثقہ ہونے کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ یہ امام بخاری کے استاد تھے۔ اس لیے کہ امام بخاری انہی راویوں سے روایت نقل کرتے تھے، جو یادداشت اور دیانت وعدالت میں ممتاز ہوتے تھے۔ کلاباذیؒ لکھتے ہیں:

"امام بخاری نے ان سے حج، نکاح، مغازی، فتن، لباس اور ایمان و نذور کے ابواب میں احادیث نقل کی ہیں (جن کی تعداد ۱۴ ہے)"[2]

امام ذہبی نے اس کو المحدّث الامام البصری کہا ہے۔ یعنی "بصرہ کے محدث اور امام تھے"۔[3]

امام ابن حبانؒ نے اسے ثقہ راویوں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ امام ابو حاتمؒ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد ۱ ص ۷۲

[2] رجال صحیح البخاری جلد ۲ ص ۵۲۴

[3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۷۵

اور امام دار قطنیؒ نے اسے صدوق یعنی سچا راوی کہا ہے[1]۔

عوف بن ابی جمیلہ الاعرابی بھی ثقہ راوی تھے

بے نظیر کی نسوانی حکومت کے کچھ وکیل ابن ابی جمیلہ کو ضعیف اور شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حدیث کو ناقابلِ استدلال قرار دینے کے لیے ان وکیلوں کی جرح کے تیر اسی راوی پر گرتے ہیں۔ لیکن درج ذیل حقائق کی بنا پر ان کی یہ تیر اندازی کارگر ثابت نہیں ہو سکتی۔

ابن حجر عسقلانیؒ ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

"عوف بن ابی جمیلہ العبدی الہجری ابو سہل بصری اعرابی کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے والد ابو جمیلہ کا نام بندویہ تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بندویہ اس کی والدہ کا نام تھا۔ اور والد کا نام رزینہ تھا۔۔۔۔ شعبہؒ، سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، یحییٰ بن سعید قطانؒ اور عثمان بن ہیثمؒ جیسے محدثین ان کے شاگرد تھے" ۵۹ھ میں پیدا ہوتے تھے۔ اور ۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ میں وفات پا گئے تھے[2]۔

عوف کے ثقہ اور قابلِ قبول راوی ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ سب نے اپنی کتابوں میں ان سے روایات نقل کی ہیں۔ اور انہیں قابلِ قبول راوی قرار دیا ہے۔ ذہبیؒ نے میزان میں اور ابن حجرؒ نے تہذیب میں اس کے نام پر (ع) کا نشان لگایا ہے جو جمیع کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ سب صحاح ستہ کا راوی ہے۔ قابلِ غور بات تو یہ ہے کہ حدیث کے چوٹی کے بڑے ائمہ نے جس راوی کو قابلِ قبول قرار دیا ہو اور اس سے روایات نقل کی ہوں۔ کیا اس کے

---

[1] میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۵۹ و تہذیب التہذیب از ابن حجرؒ جلد ۷ ص ۱۵۸

[2] تہذیب جلد ۸ ص ۱۶۶۔

اعلامیہ

کُل پاکستان اجتماعِ عام جماعتِ اسلامی پاکستان

۸ تا ۱۰ نومبر ۱۹۸۹ء، مینارِ پاکستان

شعبۂ تنظیم جماعتِ اسلامی پاکستان

جماعتِ اسلامی کا کُل پاکستان اجتماعِ عام ۲۶ سال کے بعد مینار پاکستان کے سائے میں ۸ تا ۱۰ نومبر ۱۹۸۹ء منعقد ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور کارکنانِ جماعت کی محنت اور خلوص کے نتیجے میں یہ اجتماع ہر لحاظ سے کامیاب اور معیاری تھا۔ سارے پروگرام طے شدہ جدول کے مطابق بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئے۔ ہم اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدۂ شکر بجالاتے ہیں اور اس سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں اس عظیم الشان اجتماعِ عام کے بعد کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے اپنا تن من دھن قربان کر دینے کی مزید لگن اور جذبہ عطا فرمائے۔

اجتماعِ عام سے قبل محترم امیر جماعت کی ہدایت پر اجتماعِ عام کے لیے ایک اعلامیہ تیار کیا گیا۔ اس اعلامیے میں مرکزی مجلسِ عاملہ و مجلسِ شوریٰ کی سابقہ قراردادوں کی روشنی میں موجودہ حالات کے مطابق جماعت کا موقف بیان کیا گیا ہے۔

یہ اعلامیہ ۱۰ نومبر کو اجتماعِ عام کے ساتویں اجلاس میں محترم امیر جماعت نے خود حاضرین کے سامنے پیش فرمایا۔ اعلامیہ بیس نکات پر مشتمل ہے۔ امیر جماعت نے ہر نکتہ پر حاضرین سے ان کی رائے طلب کی۔ حاضرین نے پُرجوش انداز میں ہاتھ اُٹھا کر اعلامیہ کے ہر نکتہ کی منظوری دی۔ یہ اعلامیہ ہم نذرِ قارئین کر رہے ہیں۔ واضح رہے کہ اجتماعِ عام کی مفصل کارروائی انشاء اللہ عنقریب

جماعتی رسائل میں شائع کر دی جائے گی۔ اجتماع عام میں درجن بھر قرار دادیں بھی پاس کی گئی تھیں جواب تک اخبارات و رسائل میں چھپ چکی ہیں مفصل کارروائی میں بھی ان قراردوں کو شامل کیا جائے گا۔

پاکستان برصغیر میں بسنے والے مسلمانوں کی انتھک جدوجہد اور بیش بہا قربانیوں کے نتیجے میں شریعت کی بالادستی اور مکمل اسلامی نظامِ زندگی کے قیام کی خاطر وجود میں آیا تھا۔ قراردادِ مقاصد اور دستور پاکستان کے مطابق بھی اسے ایک ایسی حقیقی اسلامی، جمہوری اور فلاحی ریاست بنانا لازم ہے جہاں عدل و انصاف پر مبنی ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئے، جہاں زندگی کے ہر گوشے میں اسلامی اصولوں کی عملداری قائم ہو۔ اور جہاں مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن و سنت کی تعلیمات اور ان کے تقاضوں کے مطابق بسر کر سکیں اور عوام کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے تمام انفرادی اور اجتماعی حقوق حاصل ہوں۔

لیکن قیامِ پاکستان کے بعد ہم اپنے اصل مشن سے غافل ہو گئے۔ اسلامی نظامِ زندگی کے بجائے گمراہ قوموں کی نقالی کی راہ اختیار کی جس کے نتیجے میں ظلم، زیادتی اور ناانصافی کی گرفت سخت سے سخت تر ہوتی چلی گئی۔ آمریت مختلف شکلوں اور لبادوں میں ملک پر مسلط ہو گئی۔ اور بالآخر اسی کوتاہی اور اصل مقصد سے انحراف کے باعث ہمارا مشرقی بازو ہم سے جدا ہو گیا۔ اس عظیم حادثے اور قومی المیے کے بعد بھی قوم خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارا وطن عزیز شدید سیاسی، معاشی اور اخلاقی بحران کا شکار ہے۔ ہر طرف بدعنوانی اور ظلم کا دور دورہ ہے۔ ہر جانب افراتفری اور بدامنی ہے۔ باہمی محبت اور بھائی چارے کی جگہ دشمنی، تعصب، عناد، عداوت اور خونریزی نے لے لی ہے۔ معاشی لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ عام شہری اپنے گھروں کے اندر بھی محفوظ نہیں۔ انہیں کھلے عام انتہائی سنگ دلی کے ساتھ اغوا کر لیا جاتا ہے اور پھر رہائی کے لیے ان کے بے بس لواحقین سے بھاری رقوم بطور تاوان وصول کی جاتی ہیں اور سرکاری مشینری

بے بس تماشائی بن گئی ہے یا اس ظلم میں شریک اور معاون ہے۔

گذشتہ انتخابات کے بعد مرکز میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے قیام کے بعد حالات سُدھرنے کے بجائے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ بگڑتے جا رہے ہیں۔ حکومت اپنا تمام تر زور دستور، قانون اور جمہوری روایات کو یکسر نظر انداز کر کے ساری سیاسی قوت اپنے ہاتھوں میں مرتکز کرنے اور پنجاب اور بلوچستان کی صوبائی حکومتوں کے خلاف محاذ آرائی پر صرف کر رہی ہے۔ ناپسندیدہ، نااہل اور مشکوک کردار کے حامل افراد کو نہایت حساس عہدوں پر تعینات کیا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں پاکستان کی سالمیت کے نقطۂ نظر سے اہم دستاویزات بھی غیر طاقتوں کے ہاتھوں تک پہنچنے لگی ہیں۔ ملک کے وسائل اور خزانے کو پارٹی مقاصد کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ملک کی سالمیت کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ حکومت قومی پرچم کے تحفظ تک میں ناکام ثابت ہو چکی ہے۔ اِس صورتِ حال پر ملک کا شہری مُضطرب اور پریشان ہے۔

موجودہ خطرات، بحران اور انتشار سے نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہم اصل مقصد کے حصول میں مُخلص اور سرگرم عمل ہو جائیں۔ جماعتِ اسلامی پاکستان اسی مقصد کے لیے گذشتہ بیالیس سال سے جدوجہد کر رہی ہے۔ ہم وہی پیغام دے رہے ہیں جو پاکستان کے ہر شہری کے اپنے دل کی آواز ہے۔ یعنی یہ کہ پاکستان میں اسلامی شریعت نافذ ہو، زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی اُصول جاری ہوں تاکہ دینِ حق اپنی مکمل شکل میں قائم ہو۔ اب تو ہر شخص پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی ہے کہ پاکستان کے استحکام کا انحصار اس مملکت میں اسلام کے حیات بخش نظام کو عملاً نافذ کرنے میں مضمر ہے اور ہمارے مستقبل اور ہماری بقا کا انحصار اسلامی احکام اور اُصولوں کو زندگی کے ہر شعبے میں بروئے کار لانے پر موقوف ہے۔

ماضی میں قائم ہونے والی حکومتیں اسلام کا نام تو بہت لیتی تھیں مگر ان کے اعمال اور اقدامات اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتے تھے، محض اسلام کا نام لینے سے ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ مسائل کا حل مخلصانہ رویّہ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی

غیر مشروط اطاعت میں پنہاں ہے لیکن موجودہ حکومت پوری ڈھٹائی کے سامنے اسلامی احکامات کی کھلی خلاف ورزی کے جرم کی مرتکب ہو رہی ہے۔ ریڈیو، ٹی وی اور ابلاغِ عامہ کے ذرائع کو فحاشی پھیلانے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ نوجوان نسل کو گمراہ کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔ منکرات کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے اور شرافت کو پسپا ہونے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

اس نازک مرحلے پر جماعتِ اسلامی پاکستان کا یہ اجتماعِ عام اسلامی نظام کے قیام کی منظم جدوجہد کرتے ہوئے پوری قوم سے تعاون کی اپیل کرتا ہے اور انہیں متوجہ کرتا ہے کہ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم بلاتاخیر قومی زندگی میں بگاڑ کے حقیقی اسباب کو پہچانیں اور اسلام کی رہنمائی میں پوری زندگی کو ازسرِ نو مرتب اور منظم کرنے کی کوششوں کا آغاز کریں۔

یہ اجتماع پاکستان میں بسنے والے تمام مسلمانوں سے پرزور اپیل کرتا ہے کہ درج ذیل مقاصد کے حصول کے لیے ہمہ پہلو جہاد شروع کیا جائے اور مطالبات کے منوانے تک چین سے نہ بیٹھا جائے۔

۱ ــــــ مملکتِ خداداد پاکستان کی تعمیر اسلام اور خالص اسلام پر کی جائے، جو ایک مکمل نظامِ زندگی ہے۔ شریعتِ اسلامی (قرآن و سنت) کو پاکستان کے بنیادی اور بالاتر قانون کے طور پر بلاتاخیر نافذ کیا جائے اور ہر وہ قانون، ضابطہ اور حکم کالعدم قرار دیا جائے جو شریعتِ اسلامیہ کے منافی یا اس سے متصادم ہو۔

۲ ــــــ عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ کے قیام کے لیے عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کیا جائے تاکہ انتظامیہ عدلیہ کے معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کر سکے۔ عدالتوں کو انصاف مہیا کرنے کے اعلیٰ اصولوں کا پابند کیا جائے، نیز عدلیہ کے مناصب کے لیے تقرریاں خالصتہً اہلیت اور نظریہ پاکستان سے وفاداری کی بنیاد پر ہوں۔

۳ ــــــ پاکستان کے تمام شہریوں کو اسلام کے دیے ہوئے بنیادی حقوق کی مکمل ضمانت دی جائے اور ملک کے کسی شہری کو صفائی کا موقع دیئے بغیر اپنے کسی حق سے محروم نہ کیا جائے اور اگر کسی کے ساتھ ماضی میں کوئی زیادتی ہو چکی ہے تو اس کی فی الفور تلافی کی جائے۔

۴ ــــ پاکستان سے معاشی استحصال کا کُلی خاتمہ کیا جائے اور مُلک کے معاشی نظام کو اجتماعی انصاف کے اسلامی اُصولوں پر قائم کیا جائے، ظالمانہ اور استحصالی طریقوں کو ختم کرنے کے لیے سُود، سٹے، جُوئے اور لاٹری پر پابندی عاید کی جائے تاکہ دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہونے کے بجائے اُس کی منصفانہ تقسیم عمل میں آسکے۔

۵ ــــ مُلکی معیشت کا غیر مُلکی امداد اور قرضوں پر انحصار ختم کیا جائے اور حکومت اپنے غیر پیداواری اور مُسرفانہ اخراجات میں کمی کرے۔

۶ ــــ حکومت اس معاشی حکمتِ عملی پر عمل کرے جس کے نتیجے میں مُلک کے ہر باشندے کو بنیادی ضروریاتِ زندگی، غذا، لباس، مسکان، تعلیم، علاج، روزگار اور انصاف کی فراہمی کی ضمانت حاصل ہو۔

۷ ــــ مُلک کے نظامِ تعلیم اور نصاب کو اسلامی نظریہ حیات کے مطابق بنایا جائے۔ اور پورے مُلک میں یکساں نظامِ تعلیم رائج کیا جائے تاکہ مُلک امیر اور غریب اور مراعات یافتہ اور محروم طبقات میں نہ بٹے اور نئی نسل کے ہر فرد کو تعلیم، روزگار اور باوقار زندگی کے مواقع حاصل ہوسکیں۔

۸ ــــ ذرائع ابلاغ کے اداروں کو نظریۂ پاکستان کے مخالف عناصر سے پاک کیا جائے۔ ان کے پروگراموں کو مثبت طور پر ہر شعبۂ زندگی میں اسلامی تصوّرات کے فروغ کا ذریعہ بنایا جائے۔ ریڈیو اور ٹی وی سے فحش اور مخرّبِ اخلاق پروگرام فوراً بند کیے جائیں۔ اور ان ذرائع کو حکمران پارٹی کا آرگن نہ بننے دیا جائے۔

۹ ــــ مُلک کے ہر حصّے میں اور خصوصیت سے سندھ میں امن و امان کے قیام کو اوّلین اہمیت دی جائے۔ تمام تخریبی عناصر کی مکمل اور بلا رُو رعایت سرکوبی کی جائے، اور قیامِ امن کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے بااثر افراد پر سخت گرفت کی جائے۔

۱۰ ــــ قتل، زنا، چوری، ڈکیتی، شراب اور دیگر منشیات، اغواء، اشاعت فاحشہ اور دوسرے جرائم کے سدِباب کی مؤثر تدابیر کے ساتھ ان کی شرعی سزائیں بھی نافذ کی جائیں جو بلا امتیاز عہدہ ہر شہری پر نافذالعمل ہوں۔

۱۱ —— ملازمتیں، دستور اور قانون میں طے شدہ اداروں کے ذریعے قابلیت اور اہلیت کی بنا پر دی جائیں۔ پلیسمنٹ بیورو، سلیکشن بورڈ اور دوسرے غیر منصفانہ طریقوں سے دی جانے والی ملازمتیں منسوخ کی جائیں۔

۱۲ —— مزدوروں، طلبہ اور دیگر پیشہ وارانہ تنظیموں کے حقوق بحال کیے جائیں۔ جہاں محض ظالمانہ قوانین کا سہارا لے کر چھانٹی عمل میں آئی ہے، ان سب کو اپنی ملازمت پر فوری طور پر بحال کیا جائے۔

۱۳ —— تعلیمی اداروں کو اسلحہ، منشیات اور غنڈہ گردی سے نجات دلائی جائے۔ اور پاک، صاف ستھرا اور پُرامن تعلیمی ماحول بحال کیا جائے۔ طلبہ کو اپنی منتخب انجمنوں کے ذریعے اپنے معاملات قانون کی حدود میں چلانے کی آزادی دی جائے۔

۱۴ —— خواتین کو ہر قسم کے ظلم، زیادتی اور ناانصافی سے نجات دلائی جائے اور انہیں اسلام کے عطا کردہ تمام شخصی، معاشرتی، معاشی اور اجتماعی حقوق دیے جائیں۔ خواتین کے لیے علیحدہ یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۱۵ —— ایٹمی توانائی کے فروغ میں بیرونی دباؤ قبول نہ کیا جائے۔

۱۶ —— بھارت کے ساتھ موجودہ معذرت خواہانہ پالیسی ترک کی جائے۔ پڑوسی ممالک کے ساتھ خوش گوار تعلقات استوار کرنے کا مقصد بھارت کی بالادستی قبول کرنا نہیں ہو سکتا۔ پاکستانی دریاؤں پر بھارت میں یک طرفہ طور پر بند تعمیر کرنے، جموں اور کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے سے انکار کرنے، سیاچن پر ناجائز قبضہ جاری رکھنے، ہندوستان اور مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں کا قتلِ عام کرنے اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو مندروں میں تبدیل کرنے کی سازش کرنے جیسے اقدامات کی موجودگی میں پاک بھارت تعلقات معمول پر نہیں آ سکتے۔

۱۷ —— غیر ملکی قرضوں، امداد اور حمایت کے حصول کی خاطر موجودہ حکومت ایک مخصوص صہیونی اور امریکی لابی کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے۔ یہ صورتِ حال پاکستان کی آزادی، خودمختاری اور قومی خودداری کے منافی ہے۔ موجودہ حکومت اپنے اس رویے کی فوری طور پر اصلاح کرے۔

۱۸ —— افغانستان کی عبوری حکومت کو فوراً تسلیم کیا جائے اور ہر بیرونی دباؤ سے قطع نظر مجاہدین کی غیر مشروط حمایت مکمل فتح کے حصول تک جاری رکھی جائے ۔

۱۹ —— فلسطین کی آزادی کے لیے اٹھنے والی اسلامی تحریک کی حمایت اور پشت پناہی کی جائے ۔ اسی طرح دنیا بھر میں مظلوم انسانیت کے حقوق کے لیے کی جانے والی جدوجہد کے ساتھ یک جہتی اور تعاون کا اعلان کیا جائے ۔

۲۰ —— مسلمان ممالک پر مشتمل دولتِ مشترکہ کے قیام کے لیے کوششیں کی جائیں ۔

یہ اجتماع اپنے اس یقین کا اظہار کرتا ہے کہ ان مقاصد کے حصول کے لیے جماعتِ اسلامی کو پوری قوم، تمام دینی اور سیاسی جماعتوں اور مؤثر عناصر کا مکمل تعاون حاصل ہوگا تاکہ ہم جلد از جلد اپنے تمام موجودہ آلام و مصائب سے چھٹکارا حاصل کر سکیں ۔ پاکستان میں ایسا نظام اور روایات قائم ہو جائیں کہ یہاں حکومت ہمیشہ قوم کے حقیقی اور معتمد علیہ نمائندوں کے ہاتھوں میں رہے اور کوئی شخص یا گروہ جمہوریت کے لبادے میں اپنی مطلق العنانیت یا آمریت قوم پر جبراً مسلط نہ کر سکے ۔ پاکستان حقیقی معنوں میں ایک مثالی اسلامی ریاست بن جائے ۔ یہاں اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں اور ہمارے بیرونی و اندرونی دشمن ناکام و نامراد ہوں ۔

شر کی قوتوں کی کامیابی کا طریقۂ کار

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

ہر دور میں شر کی قوتوں کی سرگرمی جاری رہی ہے۔ وہ فساد اور شر پھیلاتی رہتی ہیں۔ ماضی میں انہوں نے منظم سلطنتوں کو تہ و بالا کر ڈالا ہے۔ آج بھی ان کی تخریب کاری اور فساد انگیزی میں کمی نہیں آئی ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ شر پسند لوگ کس طرح اچھے خاصے بھلے مانسوں کو شر کا داعی بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ شریف آدمی کس طرح ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں؟ اس مسئلہ پر گہری توجہ سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ دنیا انسانوں سے آباد ہے۔ خیر ہو یا شر دونوں کا تعلق انسانوں سے ہے۔ خیر و شر کی قوتیں انسانوں کے اندر پروان چڑھتی ہیں اور فروغ پاتی ہیں۔ اس لیے انسان کی ذہنیت، ذہنی کیفیات، کمزوریوں اور خامیوں سب سے واقف ہونا ضروری ہے۔ ذہنی ترغیبات اور محرکات کا جاننا ضروری ہے۔ ذہن سے عمل کا صدور ہوتا ہے۔ اور عمل سے خیر یا شر کی قوتوں کو تقویت ملتی ہے۔ شر کے داعی عالم فاضل ہوں یا نہ ہوں، انسانی نفسیات کے باقاعدہ ماہر ہوں یا نہ ہوں، انسان کی ذہنی کیفیات اور محرکاتِ عمل سے وہ پوری طرح باخبر اور واقف کار ہوتے ہیں۔ اور اسی کی بنا پر وہ اپنا طریقۂ کار مرتب کرتے ہیں اور پھر اپنا مقصود حاصل کرتے ہیں۔

پہلا مرحلہ انسان کے دو محرکاتِ عمل بڑے طاقتور ہیں، محبت اور نفرت۔ محبت کے جوش میں انسان حیرت انگیز کارنامے انجام دیتا ہے۔ اسی طرح نفرت اور عداوت کے

زور میں بھی انسان ناقابل تصور حد تک نیچے گر جاتا ہے۔ شر انگیزی کرتا ہے اور نقصان پہنچاتا ہے۔ شر کے داعیوں نے اس گُر کو پکڑ رکھا ہے۔ وہ اس کو بڑی مہارت سے استعمال کرتے ہیں اور اپنا مطلوب حاصل کرتے ہیں۔

پہلے وہ کسی انسان یا کسی تصور یا کسی طرزِ اجتماعیت کی محبت انسان کے دل میں پیدا کرتے ہیں۔ مختلف طریقوں اور تدبیروں سے اس محبت کو شدید سے شدید تر بناتے ہیں۔ اس محبت میں غلو اور اغراق کی حد تک مبالغہ کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ محبت تمام دوسرے تقاضوں، مطالبوں اور احتیاجوں کو پسِ پشت ڈال دیتی ہے۔ بس یہی ایک جذبہ دل و دماغ میں رچ بس جاتا ہے۔

محبت ایک خاص قسم کی ذہنی کیفیت کو جنم دیتی ہے۔ محبوب سے متعلق ہر شے محبوب نظر آتی ہے۔ محبوب سے متعلق ہر قسم کی اچھی بات قبول کرنے کے لیے ذہن آمادہ رہتا ہے خواہ وہ کتنی ہی نامعقول اور غیر حقیقی بات ہو۔ محبت کے زیرِ اثر ذہن کی تنقیدی اور تحقیقی صلاحیتیں ماؤف اور افسوں زدہ ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں خوش عقیدہ مریدین پیر فقیر کا روپ دھارنے والوں کی کرامات اور محیر العقول واقعات پر یقین لے آتے ہیں۔ حالانکہ یہی لوگ دوسرے معاملات میں بڑے زیرک اور معاملہ فہم اور معقولیت پسند ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے محبوب کے خلاف ایک لفظ سننا گوارا نہیں کرتے۔ طریقہ کار کا یہ پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔

دوسرا مرحلہ | محبت کا خاصہ یہ ہے کہ جس چیز سے محبت ہوتی ہے، اس کے خلاف سے نفرت ہوتی ہے۔ جتنی شدید کسی کی محبت ہوتی ہے اتنی ہی شدید اس کے مخالف کے خلاف نفرت ہوتی ہے۔ دراصل محبت اور نفرت ایک ہی جذبہ کے دو رُخ ہیں۔ ایک ہی تصویر کی دو شکلیں ہیں۔ اس لیے شر کے داعی مخالف سے شدید نفرت پیدا کرتے ہیں۔ پھر نفرت ایک خاص قسم کی ذہنیت کو جنم دیتی ہے۔ جس کے زیرِ اثر مخالف سے متعلق ہر قسم کی نامعقول بات قبول کرنے پر ذہن آسانی سے تیار ہو جاتا ہے۔ دشمن کی ہر شے بری لگتی ہے۔ اور اس سے ہر بری شے کا صدور ممکن تصور کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی تنقیدی اور تحقیقی صلاحیتیں ماؤف اور بے کار ہو جاتی ہیں۔ باہمی منافرت کے دور میں ایک فریق دوسرے فریق سے

متعلق ایسی خبروں پر بھی یقین کر لیتا ہے جو دوسرا کوئی معقول آدمی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

محبت ہو یا نفرت دونوں کی شدت ذہن کی سلامتی میں زیغ اور انحراف پیدا کر دیتی ہے۔ جس کے تحت وہ نامعقول اور لغو خبروں پر یقین کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کا اظہار عربی زبان کی ایک ضرب المثل میں کیا گیا ہے: حُبُّکَ الشیئ یعمی و یصم محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ پھر نہ اس کی آنکھ حق کو دیکھ سکتی ہے اور نہ اس کا کان حق کو سن سکتا ہے۔ شر پسند لوگ نفس انسانی کی اس کمزوری سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ ان کے طریقہ کار کا یہ دوسرا مرحلہ ہوتا ہے

تیسرا مرحلہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ محبت اور نفرت میں بڑھنے اور پھیلنے کی غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے۔ دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے۔ اس طرح محبت کا دائرہ بھی پھیلتا رہتا ہے۔ دوست کا دشمن بھی دشمن ہوتا ہے۔ اس طرح نفرت کا دائرہ بھی پھیلتا رہتا ہے۔ اس طریقہ کار کو شر پسند لوگ بہ کثرت استعمال کرتے ہیں۔ جس چیز کو محبوب بنانا چاہتے ہیں اس کو محبوب سے جوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح پوری قوم اس چیز کو اپنا محبوب بنا لیتی ہے۔ جس چیز کو مبغوض اور ناپسندیدہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس کو دشمن سے جوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح ساری قوم اس سے نفرت کرنے لگتی ہے

اس طریقہ کار کو استعمال کر کے شر پسند لوگ قوم کے افراد کو ان کے اصل اعتقادات سے، تصورات سے، اور محبوب شخصیتوں سے بیگانہ بنا دیتے ہیں۔ اس طرح ذہنی اور فکری انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔ جس کے بعد یہ نوبت آتی ہے کہ جن افکار و تصورات کے لیے وہ قوم جان قربان کرتی تھی، انقلاب کے بعد وہ ان سے شدید نفرت کرنے لگتی ہے۔

یہ طریقہ کار کا تیسرا مرحلہ ہے۔ اس کو اصول استلحاق (ASSOCIATION OF IDEAS) کہتے ہیں۔

طریقہ کار کا یہ سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے۔

یہ وہ طریقۂ کار ہے اور ضابطۂ کار ہے جس پر عمل کر کے شر پسندوں نے فکر و عمل کے میدان میں عظیم تغیرات برپا کر دیئے ہیں۔ اب ہم ایک دو مثالوں سے اس طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہیں۔

اسماعیلیت کی باطنی تحریک اسلامی تاریخ کا حیرت انگیز حادثہ اسمٰعیلیت کا باطنی انقلاب ہے

—— مصر میں فاطمی حکومت کا قیام ہے (۳۲۲ - ۵۶۷ھ) اس انقلاب نے ایک گروہ کو مسلمان کہتے ہوئے اسلام کی حقیقت سے برگشتہ کر دیا۔

—— عقیدہ توحید سے برگشتہ کر دیا۔

—— اماموں کو الوہیت کی مسند پر بٹھا دیا۔

—— قرآن، سنت، خلفاء غرضیکہ حقیقی اسلام سے بیگانہ بنا دیا۔

—— شریعت کو معطل کر دیا۔

—— ایک نیا اسلام گھڑ دیا۔

غرضیکہ مجوسی ذہن نے اسلام سے بھرپور انتقام لے لیا۔ فکر و نظر، علم و عمل کا یہ انقلاب کس طرح برپا کیا گیا۔ یہ اسلامی تاریخ کا اہم سوال ہے!

فکر و عمل کا یہ انقلاب اس طرح پیدا کیا گیا کہ سب سے اوّل حضرت علی رضی اللہ عنہ، اولاد علیؓ اور اہل بیتِ رسولؐ کی محبت کو پیدا کیا گیا۔ شدید محبت پیدا کی گئی۔ محبت میں اس قدر غلو کیا گیا کہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو، اماموں کو الوہیت کا خدائی درجہ عطا کر دیا۔ پھر حضرت علیؓ کے مخالفین سے شدید نفرت پیدا کی گئی۔ اس قدر شدید نفرت پیدا کی گئی کہ ان کو دائرہ اسلام سے ہی خارج قرار دے دیا۔ پھر نفرت کے دائرہ میں توسیع کی گئی۔ اس دائرہ میں تمام خلفاء راشدین، صحابہ کرامؓ، تابعین، بنی امیہ کے خلفاء، بنی عباس کے خلفاء اور عام سنی مسلمانوں کو داخل کر لیا گیا۔ ان سب کے خلاف نفرت پیدا کی گئی۔ ان کو صحیح اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا۔ اب اگر کوئی بات ان کے حوالہ سے پیش کی جائے تو اس کی کچھ وقعت نہیں۔ اس طرح اسمٰعیلی عقائد کے ماننے والوں میں صحابہؓ تابعین اور عام مسلمانوں سے نفرت پیدا کر دی گئی۔ ان کی اکثریت کو اسلام سے بیگانہ بنا دیا گیا۔

اصل اسلام کو انہوں نے رد کر دیا۔

اس طرح اسلام کو رد کر دینے کے بعد ان کے سامنے نئے اسلام کا ہیولیٰ کھڑا کرنا ضروری تھا۔ اس کے لیے انہوں نے یہ طریقۂ کار اختیار کیا کہ قرآن اور سنت کے جو مطالب عام اہل سنت سے منقول تھے ان کو انہوں نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ تو دشمنان اہل بیت کے بیان کردہ مطالب ہیں۔ اس لیے ناقابلِ قبول ہیں۔ اس لیے کہ یہ سب لوگ علیؓ کے اور اولادِ علیؓ کے دشمن ہیں۔ ان کے نزدیک قابلِ قبول وہ مطالب اور وہ اقوال ہیں جو اہل بیت سے اور آئمہ سے منقول ہیں۔ آئمہ میں بھی امام جعفر صادقؒ ۱۴۸ھ سے منقول ہیں۔ اور پھر امام جعفر کے اقوال کے لیے راوی اور ناقل خود ساختہ شارح میمون بن قداح بن گیا۔ بات وہ جو میمون بیان کرے۔ باقی سب غلط۔ اس نے ہر چیز کو امام جعفر کے نام سے پیش کیا اور اپنی روایت سے اور سند سے پیش کیا۔ اس طرح قرآن، سنت، حضرت علیؓ اور آئمہ سب کے مقابلہ میں صرف میمون کی روایات کو اہمیت حاصل ہوگئی۔ اس طرح وہ اسلام کے مقابل ایک نیا اسلام گھڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور اسماعیلیوں نے اس پر یقین کر لیا۔

چونکہ یہ نظامِ فکر ذہن انسانی بلکہ اذہان کثیرہ کا تخلیق کردہ ہے اس لیے اس میں اختلافات اور تضادات کا ہونا ناگزیر بات ہے۔ امام کی اطاعت کے اصول پر ان داعیوں نے ہر قسم کی تحقیق اور تنقید کو خاموش کر دیا۔ انہوں نے یہ اصول قرار دیا کہ امام ہر قسم کی تنقید سے بالا ہے۔ اگر کوئی شخص امام کو شرعی گناہ میں بچشم سر ملوث دیکھے۔ سننا تو کجا۔ تب بھی یقین نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ امام کے حالات کا کسی کو علم نہیں۔ اس طرح شاطروں کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی کثیر تعداد کو غیر اسلام کی طرف پھیر دیا۔ اور آج تک اسی گمراہی میں سرگشتہ ہیں۔

(باقی)

رسائل و مسائل

خواتین کی تصاویر اور چہرے کا پردہ

جناب ملک غلام علی صاحب - منصورہ، لاہور

سوال: ایک دو مسائل کے حل کے لیے آپ کو تکلیف دی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ آپ ہمارے ان مسائل پر سب سے پہلے توجہ فرمائیں گے۔ آٹھ تا دس نومبر ۸۹ء کے اجتماعِ عام میں ہزاروں مرد و خواتین کے سامنے اسلام کے حکم پر چل کر ہمیں نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ اسی طرح عام خواتین مسائل کو سمجھنے اور شریعت کے عملی تقاضوں پر کاربند ہونے میں آسانی محسوس کریں گی، مثلاً چہرے کے پردہ کا کیا حکم ہے۔

"کیا پورا جسم چادر یا برقعے سے ڈھانپ لینے کے باوجود چہرہ کھلا رکھا جاسکتا ہے؟

چونکہ ہمارے ملک کے علماء کی اکثریت نے چہرہ ڈھانپنے کا حکم ہی سمجھا ہے۔ اِلّا یہ کہ کوئی انتہائی ضرورت چہرہ کھولنے کی پڑ جائے۔ یہ مسئلہ ہم اس لیے اٹھا رہے ہیں کہ آج کل پھر کچھ افراد چہرے کے پردے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔ بات دلائلِ قرآن و سنت کے ساتھ واضح ہونی چاہیے۔

اس معاملے میں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ بعض علمائے جامعۃ الازہر نے چہرہ کو کھلا رکھنے کے جواز کا حکم دے کر قوم کے ذہنوں میں انتشار پھیلا دیا ہے۔ اس طرح کی باتوں کو شریعت گریز طبقہ خوب اچھالتا ہے۔

کیونکہ ہمارے معاشرے میں جامعہ الازہر کا ایک احترام پایا جاتا ہے۔ ادھر خوشی کی بات ہے کہ آج کل افرادِ قوم، خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں سمجھ سمجھ کر اسلام کو بحیثیت دین اختیار کر رہے ہیں۔ اس لیے اندیشہ ہے کہ ہماری ذرا سی بھی کوتاہی گمراہی پھیلانے کا سبب نہ بن جائے۔ آپ ہمیں قرآن و حدیث اور صحابہؓ کے مکمل دلائل سے واضح کریں تاکہ دلوں سے غلط فہمیاں دُور ہوں۔

اسی طرح فوٹو، مووی، سکرین کے بارے میں واضح طور پہ بتایا جائے۔ کیونکہ ہمارے ہاں کئی بااثر حضرات وی سی آر کو بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں، لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ وی سی آر پر خواتین کو تو نمایاں نہیں کیا جا سکتا۔ اجلاس خواتین کی فوٹو، مووی سکرین نہ رکھی جاتے، اس کے لیے تو سختی کے ساتھ اصل حکم کو پکڑ لیا جانا چاہیے۔

سورہ احزاب میں آیت نمبر ۵۹، تشریح حاشیہ نمبر ۱۱۰۔ ہمارے لیے حوصلہ افزا تائید مغربی لڑکیوں کے طرزِ عمل سے ملتی ہے جو خود قرآن و حدیث اور سیرۃ النبیؐ اپنی انگلش کی کتابوں میں پڑھ کر دین کو اختیار کر چکی ہیں اور تہذیبِ اسلامی اختیار کر رہی ہیں۔ ان میں سے دو چیزوں پر ان کی پابندی قابلِ رشک ہے۔ ایک یہ کہ انھوں نے قرآن خود پڑھا سمجھا اور اس کے مطابق اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا۔ دوسرے تمام مردوں کے اختلاط سے علیحدگی اختیار کر لی۔

جواب:-

میری عزیز بہنو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا استفسار ملا۔ مختصر جواب درج ذیل ہے:

۱۔ بالغ عورت کا چہرہ ستر میں شامل ہے جیسے صرف محرم، عزیز، خاوند کے سامنے یا حج میں احرام کے وقت کھلا رکھا جا سکتا ہے۔ محض چہرہ ہی نہیں بلکہ عورت کے بال اور

آواز بھی ستر میں شامل ہے۔ عورتیں اذان نہیں دے سکتیں، نماز نہیں پڑھا سکتیں۔ سورۂ احزاب میں آیت نمبر ۳۲ میں انہیں آواز میں بناوٹ سے نرمی پیدا کرنے سے روکا گیا ہے اور آیت نمبر ۵۹ میں انہیں اپنے اوپر چادریں لٹکانے اور گھونگھٹ نکالنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کے بعد چہرہ کھلا نہیں رہ سکتا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے بعض علمائے ازہر چہرہ کو کھولنے کا جواز سورۂ نور آیت نمبر ۳۱ سے فراہم کرتے ہیں۔ لیکن اس میں چہرہ کھولنے کی گنجائش اگر نکلتی ہے تو فقط انہی رشتہ داروں اور افراد کے لیے نکلتی ہے، جن کا ذکر آیت میں موجود ہے۔ دوسرے غیر محرم اجنبی اس میں کیسے شامل ہو گئے۔ انہیں تو حکم ہے کہ کچھ مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو (احزاب-۵۳) زینت سے مراد بہر حال یا تو چہرہ ہے یا وہ زیور، آرائش اور بناؤ سنگھار ہے جس کا اخفا اجنبی مردوں سے ممکن ہو، البتہ محرم مردوں کے سامنے ان کا اظہار فطری طور پر ناگزیر ہو۔ غیر محرم کے سامنے جب پاؤں کی پازیب سے آواز تک نکالنا ممنوع ہے تو چہرہ کھولنا کیسے جائز ہو گا۔ چہرہ تو جسم کی اصل زینت ہے، اگر وہ غیر کے سامنے کھلے گا تو زینت کیسے محفوظ و مستور رہے گی۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، عورت احرام میں چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے مگر اس اجازت سے جس طرح سراسر غلط اور ناجائز فائدہ ہمارے ملک کی خواتین اٹھاتی ہیں اس کی شکایت اکثر صاحب احساس حجاج کی زبانی سنی جاتی ہے۔ جناب مولانا خلیل احمد الحامدی صاحب نے "ایشیا" میں "مشاہدات حج" کے زیر عنوان اپنی قسط نمبر ۳ شائع شدہ ۱۵ اکتوبر میں "پاکستانی خواتین سے شکایت" کے تحت جو کچھ لکھا ہے، بالخصوص انھوں نے ایک پاکستانی وزیر کی بیگم کا جو واقعہ درج کیا ہے وہ اتنا نصیحت آموز اور عبرت انگیز ہے کہ آپ کو چاہیے کہ اسے ضرور پڑھیں اور دوسری بہنوں کو بھی پڑھائیں۔

بہر کیف چہرہ میری تحقیق کے مطابق ہاتھ اور پاؤں کو چھوڑ کر جسم کے باقی حصے کے مانند ستر میں داخل ہے جس کا غیر محرم کے سامنے کھولنا جائز نہیں۔ چہرہ کھولنے کے بعد عملاً پردے کا وجود باقی نہیں رہ سکتا، رفتہ رفتہ سر، گردن، بازو اور بعض دیگر اعضائے جسم بھی کھلنا شروع ہو جاتے ہیں اور کسی جگہ رکاوٹ ممکن نہیں رہتی۔

زیادہ تفصیلی بحث میرے لیے ممکن نہیں۔ آپ اگر تفہیم القرآن سورۂ نور اور سورہ احزاب کے متعلقہ مقامات، پردہ کے متعلقہ ابواب، مولانا اصلاحی صاحب کی "پاکستانی عورت دوراہے پر"، ان کی تفسیر تدبر قرآن، ان کا کتابچہ "قرآن اور پردہ" دیکھیں تو ان میں آپ کو کافی ضروری مواد مل جائے گا۔ محمد رفیق صاحب کی کتاب قرآنیات کا ایک مضمون "عورت کے چہرے کا پردہ قرآن میں" بہت جامع اور مدلل ہے۔ یہ کتابچہ ادارۂ ترجمان القرآن یا مکتبۂ تعمیر انسانیت سے مل سکے گا۔

۲۔ جو حکم میرے نزدیک چہرے کے پردے سے متعلق ہے، اس کا بعینہٖ اطلاق چہرے کی تصویر اور سکرین، وی سی آر وغیرہ پر اس کی نمائش کا بھی ہوگا۔ جو عورت اپنی تصویر اس علم و ارادہ سے کھنچواتی ہے کہ یہ بے شمار اجنبی ناظرین کے سامنے آئے گی جن میں مرد عورتیں سب شامل ہو سکتے ہیں، وہ عورت بھی گنہگار ہے اور جو لوگ ایسی تصویریں یا وی سی آر بناتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں۔ خواتین کے مجمعوں، جلسوں کی ایسی تصاویر میرے نزدیک جائز نہیں جن میں چہرے کے خدوخال نمایاں ہوں اور انہیں پہچانا جا سکتا ہو۔

(بقیہ عورت کی سربراہی سے متعلق حدیث کی اسناد کی تحقیق)

اور اشعث حمرانی کے مقابلے میں بلند ترین درجے پر فائز تھے۔

وان کان عوف واشعث غیر مدفوعین عن صدقٍ وامانۃٍ

"اگرچہ عوف بن ابی جمیلہ اور اشعث حمرانی کی صداقت و امانت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔" (مقدمہ صحیح مسلم طبع قاہرہ۔ جلد ۱ ص ۵۴)

ثقہ راویوں میں فرق مراتب تو ہوتا ہے۔ امام مسلم کا مقصد یہ ہے کہ عوف اور اشعث اگرچہ سچے تھے اور امانت و دیانت کے حامل تھے۔ مگر ابن عون اور ایوب کا درجہ ان سے بلند ترین تھا۔ یہ توثیق کے الفاظ ہی اسی لیے تو صحیح مسلم میں عوف بن ابی جمیلہ کی روایات نقل ہوتی ہیں۔ (باقی)

مکتوبِ خصوصی*

بنام ڈاکٹر سید رضوان علی صاحب - مرسلہ : مولانا محمود حسن صاحب - ملتان

ترجمان القرآن (بابت ماہ نومبر ۱۹۸۹ء) میں آپ کا ایک قیمتی مضمون "جواب آں غزل" اور ہفت روزہ تکبیر (بابت ۹ر نومبر ۱۹۸۹ء میں "خانوادۂ نبوت سے متعلق ایک طبقے میں تاریخی اغلاط" کے عنوان سے مضمون نگاہ افروز ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے جن حقائق کا اظہار اور اعتراف کیا ہے اب ان سے اغماض کیا جا رہا ہے۔ مولانا مودودیؒ سے بغض و عناد نے اب یہ صورت اختیار کر لی ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلمہ نظریات سے اختلاف کرنے کو "علماء حق" کا مسلک قرار دینے پر زور صرف ہو رہا ہے اور زور بیان کے ساتھ زور قلم بھی میدان جہاد (؟) میں ہے۔

خلافت و ملوکیت ایک تحقیقی بلند پایہ کتاب ہے۔ اس موضوع پر ہم نے اکابر علماء کو لکھنے کی دعوت دی۔ سب نے پہلو تہی کیا اور بعض بزرگوں نے تو جواب دینے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ البتہ ایک صاحب علم حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے جرأت سے کام لے کر لکھا کہ یہ موضوع بڑا اہم اور ضروری ہے۔ اس کے لئے سرمایہ اور رجال کی ضرورت ہے۔ میرے پاس نہ تو سرمایہ ہے اور نہ رجال کار، لہٰذا معذرت کرتا ہوں۔ ایک مرد درویش نے تنہا ایک اکیڈمی کا کام کیا تو بزرگان دین نے شدید غصہ کا اظہار فرمایا۔ اس موضوع پر لکھنے کی صلاحیت یا جرأت نہیں۔ لیکن اگر کسی نے لکھا تو اس کی خیر نہیں۔ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ آپ کا مضمون جوابِ آں غزل مجھے بہت پسند آیا۔ میں اہلبیتؓ

* یہ خط مولانا محمود حسن نے ڈاکٹر سید رضوان علی صاحب کو لکھا، مگر بدقسمتی سے ان کا پتہ محفوظ نہیں، لہٰذا شائع کیا جا رہا ہے تاکہ مکتوب الیہ کے علاوہ دوسرے اصحاب بھی پڑھ سکیں (مدیر)

سے محبت کرتا ہوں۔ صحیح بخاری (ابواب المناقب صفحہ ۵۳) میں ایک روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے امام حسنؓ کے بارے میں فرمایا اللھم انی احبہ فاحبہ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ میں یہ الفاظ ہیں انہ قال للحسن اللھم انی احبہ فاحبہ واحب من یحبہ ترمذی ابواب المناقب میں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے بارے میں فرمایا: اللھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما اس طرح کی احادیث کی وجہ سے میں سیدنا حسن اور سیدنا حسینؓ سے محبت کرتا ہوں اور بڑے خلوص سے محبت کرتا ہوں تاکہ حضور اکرمؐ کی دعا مندرجہ بالا کا مستحق ہو جاؤں۔

میں طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ ہمارے حسینؓ سے یزید کو کیا نسبت ہے حسینؓ کی تو خاکِ پا بھی یزید (علیہ ما علیہ) سے بہتر ہے۔

میں مؤدبانہ درخواست کرتا ہوں کہ محمود احمد عباسی کی لچر کتاب کا علمی جواب لکھ کر اسلامی تاریخ کی خدمت کیجیے۔ اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔ جواب آں غزل میں آپ نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان پڑھیے کہ ان کو امیر معاویہؓ نے رشوت میں ایک لاکھ درہم بھیجے الخ" یہ روایت میری نظر سے نہیں گزری۔ نسیان کا بھی امکان ہے۔[1] براہِ کرم کتاب اور باب کا حوالہ دے کر ممنون فرمائیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو "خلافت معاویہ و یزید" کا جواب لکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے قبول بھی فرمائے۔

آپ سے باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن قرطاس و قلم کا دامن تنگ ہے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر۔

---

[1] جناب معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنانے کے لیے با اثر حضرات کی رائے ہموار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ایک لاکھ درہم بھیج کر یزید کی بیعت پر راضی کرنا چاہا مگر انہوں نے فرمایا "پھر تو میرا دین بڑا ہی سستا ہو گیا" یہ کہہ کر انہوں نے رقم لینے سے انکار کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۵۰ والبدایہ جلد ۸ ص ۸۹ بحوالہ "خلافت و ملوکیت" ص ۱۵۰) بخاری والی روایت سامنے نہیں (غ ع)

مطبوعات

مجدد الف ثانیؒ کی تحریک احیائے اسلام اور سلاطینِ مغلیہ

مصنفہ: پروفیسر البصار عالم مرحوم۔ ناشر: حمرا پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور۔ سفید کاغذ، صاف طباعت۔ ۴۶۴ صفحات، مضبوط جلد، پرزور رنگین سرورق۔ قیمت: ۸۱/- روپے (جو زیادہ نہیں)۔

مصنف مرحوم اسلامی ذہن کے لحاظ سے گویا ہمارے اپنے ہی آدمی تھے۔ ان کا کیا ہوا یہ کام ابتدائی شکل میں تھا اور وہ اس کی نظر ثانی کرنا چاہتے تھے، مگر قدرت نے کہا "پہر نظر معاف، دوسری نامنظور"۔ داد دیجیے شفیق الاسلام فاروقی کو کہ کہاں سے یہ مسودہ ڈھونڈ نکالا، گرد جھاڑی اور جو کچھ ملا اسے شائع کر دیا۔

مسلمان اپنے دورِ عروج میں دوسرے علوم کی طرح "تاریخ" میں جو اونچا مقام رکھتے تھے۔ ان کی کتابیں اس کی شہادت دیتی ہیں، مگر دورِ زوال اور اب...... ہمارا پاکستان — جب سے امتحان بن کے سامنے آیا ہے ہم لوگ دوسرے علوم کی طرح "تاریخ" کے اشد ضروری میدان سے تقریباً غائب ہیں۔ مولانا مہر، علی میاں اور مسعود عالم ندوی نے تحریکِ مجاہدین کے عشق کا قصہ چھیڑا۔ ڈاکٹر عنایت اللہ اور پروفیسر اسلم کے علاوہ ایک شاندار کام سید ہاشمی فرید آبادی کا ہے۔ ہمارے پاس ایک آبادشاہ پوری ہیں، ایک پروفیسر حفیظ الرحمٰن، شیخ اکرام نے ایک کام کر دیا، ثروت صولت صاحب کے علاوہ کچھ دبے دبائے فقتے طالب ہاشمی نے اٹھائے۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ نہ پاکستان کی تاریخ، نہ برصغیر کی تاریخ، نہ تحریکِ اسلامی کی تاریخ، نہ عالمی تاریخِ اسلامی انسانی نقطۂ نظر ہے۔ ہائے یہ افلاس۔ کون آج مستشرقین کی ہتھوڑا بازیوں کے حملے کا جواب دے۔ جن کے دلوں کا زہر سمٹ کر سلمان رشدی میں سما گیا ہے۔

دُکھے دل کی یہ فریاد لمبی ہوگئی۔ کہنے کی اصل بات یہ ہے کہ برصغیر میں جو کچھ بھی روشنیِ ایمان و عرفان موجود ہے۔ اس کے لیے ہم حضرت مجدد کی خدمت میں جذبۂ تشکر پیش کیے، اور ان کے لیے دُعائے خیر کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

مگر افسوس کہ حضرت مجدد کو بھلانے والی اکثریت کو تو چھوڑ دیئے، جاننے والوں کا ہجومِ کثیر صرف اُن کے تصوف کو جانتا ہے۔ لوگ نہیں جانتے کہ اسلام کے لیے سب سے پہلے اور سب سے زوردار انقلابی تحریک برپا کرنے والا بھی مجددؒ ہی تھا۔

تحریکِ مجدد کو سب سے بدتر نقشۂ احوال "اکبر" کے دور میں دیکھنا پڑا۔ یہ خالص سیکولرازم کا ظہور تھا اسلام کے اپنے قصرِ حکومت میں۔ لیکن تحریک تدریجاً کام کرتی رہی اور اس کے درخت پر جو پھل پک کر تیار ہوا وہ اورنگ زیب تھا۔ اور جب مغلیہ سلطنت ختم ہوگئی تو تحریکِ مجددیہ کا ظہور تحریکِ مجاہدین کی شکل میں ہوا۔ سلسلۂ فیضان ابھی جاری ہے۔ ہماری تاریخ کے دو سرے ہیں۔ ایک طرف اکبر، دوسری طرف اورنگ زیب۔

اِس کتاب کے ذریعے مجھے پہلی مرتبہ اورنگ زیب کے جذبۂ احیائے اسلام، اس کی مشکلات، اس کے خلاف سازشوں اور لشکرکشیوں کا اندازہ ہوا۔ اور یہ سمجھ میں آیا کہ داراشکوہ وغیرہ اسی اکبری کردار کو تمیزِ مُسلم و کافر کو مٹانے والے تصوف کے ہار پہنا کر اُٹھے تھے اور انھوں نے ہندوؤں کے تعاون سے اورنگ زیبی شخصیت کو نہیں بلکہ اس کی تحریک اور اس کے اقتدار کو ملیامیٹ کرنا چاہا تھا۔ یہ داستان پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ ہمارے آج کے بہت سے مسلمانوں میں بھی اکبری رُوح کام کر رہی ہے اور وہ اب بھی داراشکوہ کو مظلوم قرار دے کر اورنگ زیب کو "استعمالِ مذہب" کا طعنہ دیتے ہیں۔ مگر وہ مستشرقین اور ہندوؤں کی تاریخیں پڑھنے والے، اپنی کسی معقول تاریخ سے محروم، تحقیق کی عادت سے دُور افتادہ، زیادہ اخبارات میں حکام کے ارشادات اور سیکولر جمہوریت کے قصیدے پڑھنے والے آخر اپنے آپ کو اور اپنی رودادِ ماضی کو اور اپنی درخشاں شخصیتوں اور ان کے کارناموں کو کس طرح

سمجھ سکتے ہیں۔

افسوس ہے کہ کتاب کے مندرجات پر میں کوئی تفصیلی رائے نہیں دے سکا۔ بلکہ میں اس جنگ کو دیکھ رہا ہوں جو برپا ہے اور یہ کتاب اور ایسی دوسری کتابیں ہمارا محاذ بھی ہیں اور ہتھیار بھی۔

اسی لیے یہ کتاب جو ریویو کے لیے نہیں آئی تھی، بلکہ ہدیہ تھی، اس کا تعارف میں نے کرا دیا۔

گلشنِ اقبال مصنف: پروفیسر اسرار احمد خان سہاوری۔ شائع کردہ: دارالاشاعت ادارۂ تنظیم مساجد، ۱۱۵ سی سٹیلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ۔ صفحات: ۱۳۶۔ کتابت و طباعت مناسب۔ قیمت: ۱۵/- روپے۔

پروفیسر اسرار احمد خان سہاوری ایک بزرگ ماہرِ تعلیم اور دانشور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ادبی ذوق کے ساتھ ساتھ دردِ دل سے بھی بہرۂ وافر عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ کبر سنی اور مسلسل خرابیٔ صحت کے باوجود وہ اس گراں قدر کتاب کو تالیف کر پائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے۔ آمین۔

علامہ اقبال کے متعلق بہت سی کتابیں ایسی ہیں کہ ان کتابوں کے مصنفین نے بالعموم اقبال کے نام سے خود اپنے رجحانات و معتقدات اور افکار و نظریات کو پیش کیا ہے۔ اور اقبال کی فکر اور ان کی شاعری کی نہایت نامعقول تاویلات کی ہیں۔ گلشنِ اقبال ایک ایسی کتاب ہے جس میں حکیم الامت کے تصورات کا صحیح ترین انعکاس ہے۔

گلشنِ اقبال میں مصنف نے فکرِ اقبال کے مختلف پہلوؤں کو اس کے صحیح رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے پندرہ مختلف موضوعات پر علامہ اقبال کے اشعار کا انتخاب کر کے ان کی آسان اور دل نشین انداز میں تشریح کی ہے۔ اور مخالفِ اسلام نظریات کو ضرب بھی لگائی ہے۔ جنہوں نے اقبال کی فکر کو غلط رنگ دینا چاہا ہے۔

پروفیسر صاحب کی اس کوشش نے آئندہ کام کرنے والوں کے لیے نشاناتِ راہ کو واضح کر دیا ہے

MASSAGE انگریزی زبان میں ماہنامہ۔ مدیر انتظامی جناب منور حسین۔ مدیر مرتب: قادر شریف۔ بہ اہتمام ادارۂ معارف اسلامی کراچی۔ چندہ سالانہ ۸۰/- روپے۔ تازہ شمارہ نومبر (خاص نمبر) کی قیمت ۱۲/- روپے۔ پتہ: سی ۱۶۳/۱۰ فیڈرل بی ایریا، کراچی نمبر ۷۵۹۵۰۔ پاکستان۔

مینار پاکستان کے سائے میں جماعتِ اسلامی پاکستان کا جو کل پاکستان اجتماعِ عام منعقد ہوا تھا۔ اس نمبر کا تعلق اس سے ہے۔ اداریے کے علاوہ سب سے پہلے قاضی حسین احمد صاحب امیر جماعتِ اسلامی پاکستان کا پیغام سامنے آتا ہے۔ پھر ذیل کے مضامین سے خاص نمبر مزین ہے۔ جماعتِ اسلامی کی رپورٹ ۱۹۶۳ء سے ۱۹۸۹ء تک، جماعتِ اسلامی کی تحریک برصغیر پاک و ہند میں، جماعت کا تاریخی کردار اور فتوحات، جماعتِ اسلامی کی تاسیس کیسے ہوئی؟ جماعت اور معاصر سیاسی جماعتیں، مولانا مودودیؒ کے خیالات اہم مسائل کے متعلق، مولانا مودودیؒ کی اسلامی تحریک، اسلام کا تصورِ ایمان، اسلامی نظامِ معیشت میں صرفِ دولت کا نہج، پاکستان کے لیے دفاعی حکمت، شاہ ولی اللہ، اسلامی بنک کا نقشۂ کار، انبیاء علیہم السّلام کی پیروی کیسے کی جائے؟ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کا طریقہ، عالمِ اسلامی کی خبریں، مطبوعات۔

ان مضامین کے مطالعہ سے تحریکِ اسلامی اور جماعتِ اسلامی کو جاننے اور بہ حیثیت مسلمان زندگی بسر کرنے اور مخالفِ اسلام رجحانات کے خلاف جہاد کرنے کے خطوط واضح ہو سکتے ہیں۔

پرچہ مکمل ہو چکنے اور قلیل ترین مہلت کی وجہ سے اس اہم رسالے کے خاص نمبر پر زیادہ بہتر گفتگو نہیں کی جاسکی۔

سندھ، ماضی، حال اور مستقبل کے آئینے میں مصنف: محمد موسیٰ بھٹو۔ ناشر: سندھ نیشنل اکادمی۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۵۸، حیدرآباد، سندھ۔ ضخامت: ۲۸۸ صفحات بغیر جلد۔ قیمت: ۴۰/- روپے۔

اس کتاب کے فاضل مصنف نے سندھ کی ۱۲ اہم شخصیتوں کے حالات لکھے ہیں۔ یہ سب وہ محترم لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اپنے طور پر اسلام اور ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لیے جدوجہد کی اور اپنے اس خاص وصف کی وجہ سے ہمارے نزدیک یہ کتاب بہت ہی قیمتی بن گئی ہے۔

آج سندھ کا علاقہ ملتِ پاکستان کے لیے سوالیہ نشان بن گیا ہے اور بالیقین یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ پروپیگنڈے کے بل پر اور بہت کچھ ہماری غفلت کے باعث سندھ کے بالاقد سپوت نظر سے غائب اور مکروہ صورتوں والے بونے وقت کے ہیرو بن گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ کالی چادر چاک کی جائے اور سندھی عوام کو یہ بتایا جائے کہ انہیں آج جو عزت و وقار حاصل ہے اور جو علاقائی وسائل ان کے تصرف میں ہیں پاکستان کے صدقے ہی حاصل ہوئے ہیں۔ اس علاقے کے مسلمان اپنی ملت سے وابستہ ہوئے تو انہیں یہ سب کچھ ملا۔ ورنہ اس سے پہلے تو ان کا علاقہ بمبئی کی دُم سے بندھا ہوا تھا۔ اور اکثریت میں ہوتے ہوئے بھی وہ ہندو کے اجیر تھے۔ اب کوئی علیحدگی کی بات کرتا ہے تو کیا ثابت کر سکتا ہے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر (خدا نہ کرے) کچھ بہتر حیثیت حاصل کر لے گا؟

ہماری نگاہ میں مسئلہ سندھ پر یہ نہایت اچھی کتاب ہے۔ مصنف کی خدمت قابل تبریک ہے۔ اس کتاب کو بکثرت پڑھا جانا چاہیے۔ (سید نظر زیدی)

ماہنامہ ساتھی مدیر: سید شمس الدین (مع مجلس ادارت)۔ پتہ: الیف ۲۰۶ سلیم الیونیو گلشن اقبال ۱۳-بی، کراچی ۴۷۔ طباعت بہت اچھی۔ ٹائٹیل خوشنما۔ صفحات ٹائیٹل سمیت: ۱۰۰ بچوں کے لیے بہت اچھا اور پاکیزہ معلومات افزا، تفریحی رسالہ ہے قیمت فی پرچہ ۲/- روپے

علوم القرآن ششماہی مجلہ

مدیر: ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی - پتہ: ادارہ علوم القرآن پوسٹ بکس نمبر ۹۹ - سر سید نگر، علی گڈھ - ۲۰۲۰۰۲ - ضخامت: ۱۶۰ صفحات قیمت: ۱۵/- روپے -

یہ ششماہی مجلہ ۔ برسوں سے علی گڈھ سے شائع ہو رہا ہے۔ ہمارے سامنے اس کی جلد ۴ کا پہلا شمارہ ہے - جو جنوری تا جون ۱۹۸۹ء کے لیے ہے - اس مجلہ میں صرف قرآن اور قرآنیات سے متعلق مضامین ہی اشاعت پذیر ہوتے ہیں - جن کا انداز خاص علمی تحقیقی اور سنجیدہ ہے - اس شمارے میں قرآنی مضامین کا اشاریہ - از ابوسفیان اصلاحی خاصا معلوماتی مضمون ہے -

اگرچہ بعض مضامین کے مندرجات سے اختلاف رائے کی راہیں کھلتی ہیں، مگر اس کے باوجود اس دورِ پُر فتن میں ایسی علمی اور سنجیدہ کوشش بھی غنیمت ہے اور مبارک باد کی مستحق ہے - (م - د)

ہفت روزہ "آئین" کے ۲۵ سال

ایڈیٹر: مظفر بیگ - اشاعتِ خاص صفحات ۱۶۱ سفید کاغذ، اچھی طباعت - عنوانات، صفحات اور عبارات کی ترتیب کے تو مظفر صاحب ماہر ہیں (بلکہ کہنا چاہیے کہ "مظفری ترتیب") ٹائیٹل، آرٹ پیپر، زوردار رنگین قیمت: ۲۰/- روپے -

مظفر بیگ بھی عظیم، ۲۵ سال بھی عظیم، آئین بھی عظیم ـــ اور کیا تبصرہ لکھا جائے - بیگ صاحب نے نہ کوئی موضوع چھوڑا، نہ کسی لکھنے والے کو معاف کیا، ۲۵ سال کے بشیار واقعات سمیٹے، قافلہ سخت کی سفر کی روداد لکھ ڈالی ـــ اور سب کچھ اپنے بیگ میں ڈال لیا - اسی لیے تو وہ مظفر ہیں -

اس نمبر میں علم بھی ہے، معلومات بھی، ایمان و اعتقاد کے جذبات بھی، شخصیتوں کے روپ بھی، نگارشات کی نیرنگیاں بھی ـــ آخر اہلِ ذوق اس نمبر کی دلکشی کی زد سے کیسے بچیں گے -

---

اُردو ترجمۂ قرآن حکیم پہلا پارہ

از جناب مولانا شبیر احمد صاحب (شعبۂ تحقیق ادارۂ معارف اسلامی منصورہ۔ لاہور) ناشر: ادارۂ علم القرآن۔ ۱۰ اعینک محل شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور۔ بہ تعاون رضیہ شریف ٹرسٹ ۴۴۶ شادمان کالونی، لاہور۔

مولانا نہ صرف دین سے گہری محبت رکھتے ہیں بلکہ علومِ دینیہ میں ان کا خاصا مقام ہے۔ علی الخصوص قرآن اور تفسیر قرآن اور درس قرآن (نیز احادیث وفقہ) سے خاص دلچسپی ہے۔ قرآن کریم کے ترجمہ کا انہوں نے ایک دلچسپ اور مفید تجربہ پیش کیا ہے۔ یعنی اُردو میں متنِ قرآن کا ترجمہ کرتے ہوئے دونوں زبانوں کے الفاظ الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے قارئین کو تکلیف ہوتی ہے۔ مؤلف نے یہ نادر حل نکالا ہے کہ متن کی عبارات میں دو رنگ استعمال کئے ہیں۔ یعنی سُرخ اور سیاہ۔ ترجمہ کرتے ہوئے وہ سُرخ رنگ کے الفاظ کا ترجمہ سُرخ رنگ میں کرتے ہیں۔ اور سیاہ رنگ کے الفاظ کا ترجمہ سیاہ رنگ میں۔ پہلا پارہ جدید کمپوٹری طباعت سے آیا ہے۔ اُمید ہے کہ دوسرا جلد مل جائے گا ہدیہ درج نہیں۔ مفت تقسیم کے لیے ہے۔ اور آخری صفحے پہ پتے دیئے ہوئے ہیں جہاں سے اسے مفت حاصل کیا جا سکتا ہے۔

خداوند کریم مولانا کے جذبۂ خدمتِ دین اور خدمتِ قرآن کی جزائے موفور دے۔

اذان ایڈیٹر: محمد خالد فاروقی۔ مقامِ اشاعت: نیو یارک (مزید پتہ درج نہیں)، کاغذ، طباعت، ٹائیٹل بہت خوبصورت۔ قیمت فی شمارہ امریکہ میں ۲ ڈالر۔

دینی دعوت کا تحریک انگیز رسالہ ہے اور انگریزی اُردو دونوں زبانوں میں مضامین پیش کرتا ہے۔

ایک انگریزی پمفلٹ نام SELF INTROSPECTION AND MORAL RECONSTRUCTION — یہ راقم الحروف کے ایک مقالے "اپنی اصلاح آپ" کا انگریزی ترجمہ ہے جو دبیز رنگین ٹائیٹل کے ساتھ ۳۲ صفحات میں شائع ہوا ہے۔

مترجم: شریف احمد خاں اور ناشر کرامت اللہ شیخ ہیں (اداریے کا پتہ۔ اسلامک بک پبلشرز۔ پوسٹ بکس ۲۰۲۱ کویت)